جانے والے کبھی نہیں آتے
جانے والوں کی یاد آتی ہے

گلدستۂ سعید

یعنی

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
رحمہ اللہ کی کچھ یادیں، کچھ باتیں

حصہ اوّل و دوم

مرتّب
مولانا عبدالسلام ابراهیم مارویا، لاجپوری
خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن



کتاب: گلدستۂ سعید

افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ

مصنف: (حضرت مولانا) عبدالسلام ابراہیم مارویا، لاجپوری (لندن)

صفحات: ۲۱۶

سن اشاعت: ۱۴۴۳ھ / ۲۰۲۲ء

ایڈیشن: اوّل

تعداد: ۱۰۰۰

ناشر: مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری محلہ، لاجپور، سورت، انڈیا



۱ مکتبہ سلیمانیہ، اجمیری، محلہ، سورت
مدرسہ اسلامیہ، صوفی باغ، سورت

۲ مولانا عبدالسلام مارویا، لندن
موبائل نمبر 07877937731

ہمارے اکابر چلے جارہے ہیں

ستارے زمیں کے بجھے جا رہے ہیں
ہمارے اکابر چلے جا رہے ہیں

چمن میں ویرانی سی پھر چھا رہی ہے
گلوں کے شگوفے چلے جارہے ہیں

محبت کی راہیں جنہوں نے دکھائیں
وہ جنت میں سب ہی بسے جا رہے ہیں

وہ راتوں کو لمبی دعا کرنے والے
وہ محروم ہم کو کئے جارہے ہیں

جو امت کے رہبر، جو داعی الی اللہ
جمیل اب جہاں سے چلے جا رہے ہیں

جو دستار شفقت ہمارے ہیں صفی
ہمارے سروں سے اٹھے جارہے ہیں

اللہ اکبر

تعلم فليس المرء يولد عالما وليس اخو علم كمن هو جاهل

علم سیکھ، کوئی ماں کے پیٹ سے عالم پیدا نہیں ہوتا، اور عالم اور جاہل مرتبہ میں برابر نہیں ہوتا۔

وان كبير القوم لا علم عنده صغير اذا لتفت عليه الجحافل

اور قوم کا وہ سردار جس کے پاس علم نہیں ہوتا، دشمن کی لشکر کشی کے وقت صغیر ثابت ہوتا ہے۔

وان صغير القوم ان كان عالما كبير اذا ردت اليه المحافل

اور بیشک قوم کا صغیر جب عالم ہوتا ہے، تو مجالس علم میں صدر مقام پاتا ہے۔

(دیوان الامام الشافعی رحمہ اللہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از: مرتب

محترم قارئین! مفسر قرآن، محدث عظیم، فقیہ النفس، شارح حجۃ اللہ البالغۃ، سابق شیخ الحدیث، ام المدارس دار العلوم دیو بند حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی برطانیہ کے شہر لندن میں ایک مسجد ہے بنام "مسجد قبا"، اسٹامفورڈ ہل جس میں بندہ الحمد للہ! پچھلے اٹھارہ سال سے امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے، حضرت رحمہ اللہ کی تشریف آوری ہوتی رہی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی مسجد ہذا میں آمد کا سلسلہ تقریباً ۱۹۹۰ء میں شروع ہوا جو آپ کی وفات کے ایک سال قبل تک جاری رہا، یعنی تقریباً تیس سال، احقر کو اس دوران حضرت رحمہ اللہ کی عمومی وخصوصی مجالس میں شرکت، آپ کی خلوت وجلوت کو قریب سے دیکھنے کی سعادت، اور آپ کے بیانات وفقہی مجالس میں شرکت کا اعجاز حاصل رہا ہے، نیز حضرت کی تصنیفات وتالیفات کو پڑھنے کی سعادت بھی میسر آئی ہے۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کو بندے نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، حصہ اول میں حضرت رحمہ اللہ کا ام المدارس، دار العلوم دیو بند میں داخلہ، دار العلوم میں بطور مدرس آپ کا تقرر، تدریس اور طرز تدریس، نیز حضرت رحمہ اللہ نے طلباء وعلماء کے لئے حصول علم اور علم میں ترقی کیسے ہوتی ہے یا کہہ لیجئے کہ ہو سکتی ہے اس تعلق سے جو ضروری ہدایات بیان فرمائی ہیں اس کو جمع کیا ہے۔

حصہ دوم میں حضرت رحمۃ اللہ کی ہماری مسجد، مسجد قبا، لندن سے جڑی حضرت رحمۃ اللہ کی کچھ یادیں، کچھ باتیں جمع کی ہیں، جوان شاء اللہ قارئین کے لئے خالی از فائدہ نہیں ہوگی، اس کا تیسرا حصہ بھی ان شاء اللہ امید ہے کہ بہت جلد منظر عام پر آئے گا۔

انسان کو باری تعالی نے کمزور پیدا کیا ہے، ظاہری بات ہے کہ اس کے ہر کام میں اس کا اثر ظاہر ہوگا، لہذا آپ کو میرے اس کام میں بھی نقص، کمی، کوتاہی نظر آئے گی، آپ اس کو میری انسانی کمزوری اور کم علمی پر محمول کرے، ہاں! انسان کو جان بوجھ کر غلطی نہیں کرنی چاہئے، باقی بھرپور کوشش کے باوجود غلطی ہو جائے تو یہ توانسانی خاصہ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ احقر کی اس ادنی سی کوشش کو قبول و منظور فرمائے، اور حضرت رحمۃ اللہ کے حق میں اس کو صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

کیا فائدہ فکر کم و بیش سے ہوگا
ہم کیا ہے جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا، ہوا کرم سے اس کے
جو کچھ ہوگا اسی کے کرم سے ہوگا

نوٹ: یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف یا حضرت رحمۃ اللہ کی سوانح حیات نہیں ہے بلکہ میرے پچاس سے زائد مضامین کا مجموعہ ہے جو میں نے حضرت رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد وقتاً فوقتاً تحریر کئے تھے، اس کو من وعن نقل کر دیا ہے، اس لئے قارئین اس کتاب کو اسی نظریہ سے پڑھے۔

فہرست مضامین

حصّہ دوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے

یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے، یہاں آنا ہی یہاں سے دوسرے عالم میں جانے کی تمہید ہے ۔

ہر قدم کہتا ہے تو آیا ہے جانے کے لئے
منزل ہستی نہیں ہے دل لگانے کے لئے
کیا مجھے خوش آئے یہ حسرت سرائے بے ثبات
ہوش اڑنے کے لئے ہیں، جان جانے کے لئے

(اکبر الہ آبادی)

کتنا مختصر ہے فسانہ زندگی کا

انسانی زندگی بھی عجیب ہے، انسان ایک گھڑی پہلے زندہ ہوتا ہے اور دوسری گھڑی میں جان کی بازی ہار چکا ہوتا ہے، بقول شاعر ۔

کتنا مختصر ہے فسانہ زندگی کا
دو ہچکیوں میں ٹوٹا پیمانہ زندگی کا

زندگی سے زیادہ بے یقینی کوئی شئے نہیں ہے

عالم فانی میں زندگی سے زیادہ بے یقینی سی کوئی اور شئے نہیں ہے، شاعر کہتا ہے ۔

انسان اک بلبلا ہے پانی کا
کیا بھروسہ ہے زندگانی کا

موت ایک حقیقت کا نام ہے

موت کا وقت ہمارے اعتبار سے بظاہر بالکل بے یقینی سا ہے، وہیں یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ 'موت ایک حقیقت کا نام ہے' اس سے ہر ایک کو ایک وقت سابقہ پڑتا ہے، اور سب کو ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے آج یعنی ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۹ مئی ۲۰۲۰ء منگل بوقتِ اشراق سلطان العلماء، امام التدریس، فقیہ النفس، شارح حجۃ اللہ البالغۃ، شیخ الحدیث ام المدارس دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رَحِمَهُ اللَّهُ نے دنیائے فانی کو الوداع کہا اور خالق حقیقی سے جا ملے:

انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر ومن عذاب النار

ادا کرکے فرض اپنی خدمات کا
سحر دم وہ جاگا ہوا رات کا
ابد کے نگر کو روانہ ہوا
مکمل سفر کا فسانہ ہوا

کچھ گھنٹوں بعد آپ کو بمبئی کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا ۔

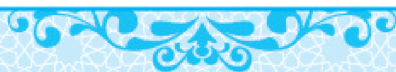
لوگ خاک میں ڈھونڈتے ہیں سونا
ہم نے سونا سپرد خاک کیا
کتنے چپ چاپ ہیں ویران جزیروں جیسے
خاک میں مل گئے انسان ہیروں جیسے



لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

١٤٠٢





پہلا تعارف

احقر صوبۂ گجرات کی قدیم ومشہور دینی دانش گاہ 'دار العلوم اشرفیہ' میں زیر تعلیم تھا، عربی کے تیسرے درجہ (عربی سوم) میں پہنچا تو اس سال جو کتابیں پڑھنا تھیں اس میں منطق کی ایک کتاب بھی تھی "آسان منطق"، یہ "تیسیر المنطق"، کی تہذیب ہے 'آسان منطق' دار العلوم دیوبند سمیت دیگر کئی مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے، واقعی اس کتاب کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ نے اس کتاب کو کتاب کے نام کی طرح ہی نہایت آسان پیرایہ میں تحریر فرمایا ہے، جس کو ہر طالب علم معمولی محنت و مشقت سے سمجھ سکتا ہے۔

اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو یہ مہارت وملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ مشکل سے مشکل علمی مسائل کو آسان اسلوب میں ڈھال دینے کا ہنر رکھتے تھے، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمہ اللہ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو مبدأ فیاض سے مشکل مضامین کو سہل انداز اور آسان زبان میں بیان کرنے کی بے مثال قوت عطا کی گئی ہے، شاید اس سہولت پسند دور میں اس کی اشد ضرورت بھی تھی، موجودہ دور کے مدارس کے طلباء کی اکثریت محنت ومطالعہ اور تکرار سے جی چراتی ہے۔

کسی بھی مصنف کے لئے یہ شرف کی بات ہوتی ہے کہ اس کی کتاب کو ام المدارس دار العلوم دیوبند میں داخل نصاب کیا جائے، یہ سعادت بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو ملا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہمارا "آسان منطق"، کا درس استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب بکس والا دامت برکاتہم العالیہ فی الحال استاذ حدیث، مدرسہ اسلامیہ، صوفی باغ، سورت سے متعلق تھا، مدارس عربیہ میں یہ طریقہ رائج ہے کہ ہر کتاب کے شروع کرانے سے پہلے استاذ طلباء کے سامنے مصنف کا تعارف پیش کرتا ہے۔

حضرت الاستاذ نے بھی حسب روایت حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کا ایک حد تک تفصیل سے تعارف کرایا، اس طرح "آسان منطق"، سبب بن گئی آپ کی شخصیت سے واقفیت کا، چند سالوں کے بعد برطانیہ میری آمد نے آپ تک رسائی کو بھی آسان بنادیا، وہ اس طرح کے برطانیہ کی جس مسجد میں حضرت رحمہ اللہ کا رمضان المبارک میں قیام ہوتا تھا اسی مسجد میں میرا بطور امام تقرر ہوا۔

جن کو منطق کی منطق سمجھ نہیں آتی ان کو 'آسان منطق' پڑھنی چاہئے

"آسان منطق"، کے متعلق میں کہا کرتا ہوں کہ جن لوگوں کو منطق کی منطق سمجھ نہیں آتی ان کو "آسان منطق"، پڑھنی چاہئے، ان شاء اللہ انہیں منطق کی سمجھ آجائے گی وہ بھی "بآسانی"،۔



اس میں کلام نہیں کہ دیوبند کا وجود
ہندوستان کے سر پہ ہے احسان مصطفی
تا حشر اس پہ رحمت پروردگار ہو
پیدا کئے ہیں جس نے فدایان مصطفی
اس مدرسہ کے جذبۂ عزت و سرشت سے
پہنچا ہے خاص و عام کو فیضان مصطفی
گونجے گا چار کھونٹ میں نانا تویؒ کا نام
بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفان مصطفی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

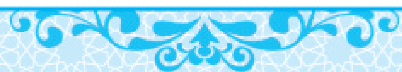
(شورش کاشمیری)

تو عظیم اور ترے بانی بھی تھے یقیناً عظیم
خاص ہیں تجھ پر عنایات خداوند کریم

(ماہر القادری)

مسجد چھتہ وہ پہلی درس گاہ علم دین
جس جگہ محمود نے محمود پایا تھا مقام
قاسم الخیرات کے اس مرکز تبلیغ کا
آدمی تو کیا فرشتے کر رہے ہیں احترام





سفرِ علم کی آخری منزل 'دارالعلوم دیوبند' ہو

طالبانِ علوم نبویہ کی یہ فطری تمنا ہوتی ہے کہ ان کے سفرِ علم کی آخری منزل "دار العلوم دیوبند،، ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر یوں تحریر کروں تو شاید غلط نہ ہوگا کہ طالبانِ علوم نبویہ کی شروع ہی سے یہ تمنا ہوتی ہے کہ "گلشنِ قاسمیہ،، میں بلبل بن کر چہکتے رہیں۔

چوں طالباں شنیدند از ہر طرف دیوبند
باغ و بہار ایں جا،ایں گلشن دوامی

پھر جب انگڑائیاں لیتی ہوئی یہ فطری خواہش حقیقت کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور جن طلباء کا "دارالعلوم،، میں داخلہ ہو جاتا ہے تو وہ پھولے نہیں سماتے، ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی ہے، سننے میں آیا ہے کہ بعض طلباء تو داخلے کی خوشی میں دوست واحباب میں مٹھائیاں تک تقسیم کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی انہیں خوش نصیب طلباء میں سے ایک تھے جن کے سفرِ علم کی آخری منزل دارالعلوم دیوبند تھی (اور سفرِ تدریس کی آخری منزل بھی دارالعلوم دیوبند رہی) دورۂ حدیث میں آپ نے اپنی جماعت میں اول پوزیشن حاصل کی تھی، مسلم شریف کو چھوڑ کر ساری کتابوں میں آپ کو '۵۰' نمبر ملے تھے۔

نمبرات

بخاری شریف	۵۰	مؤطا مالک	۵۰
طحاوی شریف	۵۰	نسائی شریف	۵۰
ترمذی شریف	۵۰	مؤطا محمد	۵۰
شمائل	۵۰	ابن ماجہ	۵۰
ابوداؤد شریف	۵۰	مسلم شریف	۴۵



تدریس

اللہ سُبحَانَہٗ وَتَعَالیٰ نے آپ کے مقدر میں مادر علمی، ام المدارس دار العلوم دیوبند میں تدریس کی سعادت بھی لکھی تھی ۱۳۹۳ھ میں دار العلوم میں بطور مدرس آپ کا تقرر عمل میں آیا، عربی کے ابتدائی درجات سے آپ نے تدریس کا آغاز کیا اور پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ آپ مادر علمی میں "شیخ الحدیث،، کے عظیم منصب پر فائز ہوئے۔

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی مثال اس کوہ نور کی سی ہے کہ..........

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی مثال اس کوہ نور کی سی ہے کہ جس کا ہر پہلو روشن اور درخشاں ہے۔

درس میں ہمیشہ بروقت حاضری اور..........

محلہ بیرون کوٹلہ میں جو دار العلوم سے خاصے فاصلے پر واقع ہے آپ کا مکان تھا، وہاں سے پیدل بڑی پابندی کے ساتھ بروقت درس میں تشریف لاتے، اور شروع سال ہی میں طلبہ کو یہ ہدایت فرمادیتے کہ میرے آنے کے بعد کسی طالب علم کا درس گاہ میں آنا جرم ہوگا، طلبہ اس کا بھرپور خیال کرتے اور آپ کے آنے سے پہلے ہی درس گاہ پوری بھر جاتی، اگر کبھی اتفاق سے آپ تشریف لاتے اور طلبہ کی تعداد کم محسوس ہوتی تو ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے واپس گھر تشریف لے جاتے، اور خاص طور سے "ترجمان سے،، جواب طلب فرماتے، یہ مرحلہ طلبہ کے لئے بڑی تشویش اور فکر کا باعث بن جاتا تھا، عصر کی نماز کے بعد طلبہ ڈرتے ڈرتے آپ کے گھر مجلس میں حاضر ہوتے، غلطی پر نادم ہوتے، معافی طلب کرتے، آئندہ پابندی کے ساتھ حاضری کا عہد کرتے تو حضرت دو چار تنبیہی جملے کہہ کر معاف فرمادیتے اور اگلے وقت تشریف لے آتے، آپ کے اس عمل کا یہ اثر ہوتا کہ پھر طلبہ وقت سے پہلے ہی درس گاہ میں موجود

دکھائی دیتے۔ (بروایت مولانا عفان منصور پوری)

ادب دل سے ہوتا ہے

درس گاہ میں تشریف لاتے، اگر کسی نے جوتی سیدھی کردی فوراً سرزنش ہوتی کہ "یہ ادب نہیں ہے،، ادب دل سے ہوتا ہے، اسی طرح راستہ چلتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے کوئی طالب علم چلتا تو سخت ناپسند فرماتے۔ (بروایت مولانا عبداللہ ممتاز قاسمی)

درسی تقریر میں ٹھہراؤ اور شفافیت

سبق ٹھہر ٹھہر کر پڑھاتے، اس لئے طلباء کے لئے آپ کا سبق سمجھنا اور اسے قلمبند کرنا آسان ہوتا، تقریر میں اتنا ٹھہراؤ اور اتنی شفافیت ہوتی کہ طلباء کو اسے لفظ بلفظ نوٹ کر لینے میں کسی طرح کی دشواری پیش نہیں آتی تھی، حضرت اپنے اس انداز تدریس کے متعلق فرماتے تھے کہ ابتداء میں میں بھی عام مدرسین کی طرح (جلدی جلدی) پڑھاتا تھا، پھر ٹھہر ٹھہر کر بولنے کی مشق وتمرین کی، اس کے لئے روزانہ اپنے سبق کو ریکارڈ کرتا اور پھر خود اسے سنتا تھا کہ گفتگو میں کتنی کمی آئی۔

آپ درس دے رہے ہوں، تقریر کر رہے ہوں یا عام مجالس میں گفتگو کر رہے ہوں بولنے کا انداز یکساں ہوتا، موقع عجلت کا ہو یا اطمینان کا گفتگو میں ہمیشہ اطمینان اور ٹھہراؤ ہوتا، علمی گفتگو کرتے وقت تو حال یہ ہوتا کہ جب آپ بولتے تھے تو علم کے موتی رولتے تھے۔

مجلس درس کا رنگ

دارالحدیث کی شمالی سمت سے جوں ہی آپ اندر داخل ہوتے طلبہ کے کھچا کھچ بھرے مجمع پر سناٹا پسار جاتا، ہر کوئی سنبھل کر باادب بیٹھ جاتا، درس کو قلم بند کرنے

والے سینکڑوں طلبہ اپنے کاغذ قلم ٹھیک کرنے لگتے، پہلی ٹپائی پر بیٹھنے والے اپنے بال اور ٹوپی بھی اہتمام سے درست کرنے لگ جاتے، اس لئے کہ کسی طالب علم کا نامناسب ہیئیت میں قریب بیٹھنا حضرت کے لئے باعث تکدر تھا۔

مسند کے پاس پہنچ کر حضرت سروقد کھڑے ہوجاتے، مجمع پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے خاص ادا سے سلام کرتے، سال میں دو چار دفعہ ایسا ہوتا کہ مجمع کو ناموافق پاکر غصہ میں تنبیہاً وہیں سے الٹے قدم یہ کہتے ہوئے واپس چلے جاتے کہ "تمہیں اگر پڑھنے کا شوق نہیں رہا تو ہمارا بھی پڑھانے کا شوق پورا ہوچکا ہے،، جس کا آئندہ طلبہ کے اہتمام درس پر اچھا اثر مرتب ہوتا، ورنہ عام معمول تھا کہ سلام کے بعد خاص لب و لہجے میں "لا الہ الا اللہ،، کہتے ہوئے مسند حدیث پر فروکش ہوجاتے، آپ کی زبان اس مبارک ورد کی عادی تھی، دوران درس جب بھی پہلو بدلتے، یا کسی مضمون کو مکمل کرتے، یا کوئی نئی بات شروع کرنے کا ارادہ کرتے تو بے اختیار یہ کلمہ آپ کی زبان پر جاری ہوجاتا تھا۔

آپ مسند پر جب فروکش ہوتے تو سامنے کتاب کی طرف کسی قدر جھک کر بیٹھتے، مائک والے کو ہدایت ہوتی کہ آواز بس اتنی رکھے جو دارالحدیث میں صاف سنائی دے، اس بارے میں اسے رہ رہ کر تنبیہ ہوتی رہتی، اس گھنٹے کی چوکسی اسے پورے دن کی ڈیوٹی پر بھاری تھی۔

دوران گفتگو سامنے مخاطب ہوتے، کسی قدر دائیں بائیں بھی متوجہ ہوتے، مگر پوری طرح چہرہ نہ ادھر پھیرتے نہ ادھر، بات کہتے ہوئے ہاتھوں کے اشارے سے بھی مدد لیتے، مگر نہ اٹھاؤ پٹخ کرتے نہ زیروزبر ہوتے، بس سینے تک ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

دوران درس طلبہ یا تو گوش بر آواز ہوکر بدیدہ و دل آپ کی طرف متوجہ ہوتے، یا نظر نیچی کئے آپ کی تقریر قلمبند کرنے میں جٹے ہوتے، ہر طرف سکون و سکوت کی ایسی حکمرانی ہوتی کہ صریر خامہ صاف سنائی دیتی اور ورق الٹنے کی آواز بھی محسوس کی جاتی۔

شخصیت کی مقناطیسیت تھی، حسن تدریس کا جادو تھا یا کوئی کرامت تھی کہ طلبہ پروانہ وار آپ پر نثار تھے، صدائے احتجاج بلند کرنا تو کجا، شکوہ سنج بھی کم ہی دیکھے گئے۔

آپ کی ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ اگر آپ مسلسل دو گھنٹے پڑھاتے تو بھی آواز، انداز رفتار شروع، آخر اور درمیان میں یکساں ہوتی۔



عبارت خوانی کے لئے بھی امتحان ہوتا



آپ کے سبق میں عبارت خوانی کا مرحلہ بڑا اہم ہوتا تھا، ہر طالب علم اس کی ہمت نہیں کر پاتا تھا، آپ باقاعدہ گھر بلا کر عبارت خوانی کے خواہشمند طلبہ کا امتحان لیتے اور پھر چند طلبہ کو سال بھر عبارت خوانی کے لئے متعین فرمادیتے، اطمینان کے ساتھ صاف صاف، متوسط آواز میں صحیح عبارت پڑھنے کی تاکید فرماتے، آواز تھوڑی بھی تیز ہوتی تو حضرت کو ناگوار گذرتی، ٹوکتے اور فرماتے مائک دور کرکے پڑھو، اعراب کی غلطیاں آنے لگتیں تو عبارت خواں تبدیل فرمادیتے، یا خود پڑھنا شروع فرمادیتے۔

(بروایت مولانا عفان منصور پوری)



حفظ احادیث کا اہتمام



مغرب کے بعد تشریف لاتے تو باضابطہ سبق کا آغاز کرنے سے پہلے حفظ احادیث کی غرض سے ایک مختصر حدیث لکھواتے اور تین مرتبہ اس کو اجتماعی طور پر

کہلواتے۔ (بروایت مولانا عفان منصور پوری)

درس کی مقبولیت

شروع سال سے اخیر تک آپ کا انداز تدریس بالکل یکساں رہتا اواخر سال میں بھی اسی بسط و تفصیل کے ساتھ اطمینان سے پڑھاتے، سب اساتذہ کے اسباق بند ہوجاتے اور آپ کے اسباق کا سلسلہ امتحان کے قریب تک جاری رہتا۔

آپ کا طرز تدریس طلباء میں خوب مقبول تھا، درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب قدیم فضلاء اور قرب وجوار کے مدارس کے طلبہ دار العلوم آتے تو آپ کے سبق میں شرکت بھی ان کے پروگرام کا حصہ ہوتا تھا۔

فقہاء کے اقوال کچھ اس انداز سے بیان فرماتے کہ........

حضرت اپنے درس میں فقہاء کے اقوال کچھ اس انداز سے بیان فرماتے کہ جس سے وجہ اختلاف اور وجہ استدلال دونوں واضح ہوجاتے بلکہ اختلاف کی بنیاد کیا ہے اس کو بھی اچھی طرح سمجھاتے تھے۔

آپ کے درس میں فقہی احکام و مسائل میں انتہائی توازن واعتدال پایا جاتا تھا، آپ اپنے درس میں حنفیت کی ترجیح کے بجائے حنفیہ اور ائمہ ثلاثہ کے مابین توفیق و مطابقت کی کوشش فرماتے۔

حضرت کا موقف تھا کہ جب چاروں مذاہب برحق ہیں تو دلائل میں موازنہ و محاکمہ اور ترجیح کے قصوں کے دراز کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ائمہ کے مذاہب اور ان کے مستدلات کو پیش کرتے، ساتھ ہی یہ بھی واضح کرتے کہ مسئلے کی اصل کتاب اللہ ہے یا سنت رسول اللہ، اس کی ایک مثال ترمذی شریف میں ''مس المرأۃ،، کے مشہور

مسئلہ کواس طرح سمجھاتے کہ یہ مسئلہ دراصل حدیث کا نہیں بلکہ قرآن کریم کا ہے، اس مسئلے میں اختلاف نص فہمی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جن لوگوں نے ”لامس،، کواس کے حقیقی معنی میں رکھا انہوں نے ”مس،، کو ناقض وضو قرار دیا، اور جن لوگوں نے ”ملامسۃ،، کو جماع سے کنایہ سمجھا انہوں نے اس کو جنابت سے متعلق قرار دیا اور ”مس،، کو ناقض وضو نہیں سمجھا۔

تمام مجتہدین کے مذاہب شریعت مطہرہ سے بنے ہوئے ہیں

علامہ عبدالوہاب شعرانی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے کہ منجملہ ان انعامات کے جو خدا تعالی نے مجھ پر کئے (ایک یہ ہے) کہ میں ائمۂ اربعہ کے اقوال کے مناشی اور اصول سے پورے طور پر واقف ہوگیا ہوں، اور ان کے تمام ادلہ کا میں نے احاطہ کرلیا ہے، اس کے نتیجہ میں مجھے ثابت ہوا کہ کوئی مجتہد کسی امر میں سنت رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے باہر نہیں ہے بلکہ وہ سب مشدّد اور مخفف کے درمیان درمیان ہیں، کیونکہ کسی نے صریح حدیث وقرآن کو لے لیا اور کسی نے اس کو جوان دونوں سے سمجھا جاتا ہے، اور کسی نے اس کو جوان دونوں سے مستنبط ہوتا ہے، اور کسی نے اس کو جوان دونوں کے مفہوم سے مستنبط ہوتا ہے، اور کسی نے اس قیاس صحیح کو لے لیا جو اصل صحیح پر مبنی ہو۔

الحاصل! تمام مجتہدین کے مذاہب شریعت مطہرہ سے بنے ہوئے ہیں کہ ان سب کا تانا اور بانا اسی شریعت سے ہے۔ (مواہب رحمانی ترجمہ میزان شعرانی جلد اول ۳۶ غیر)

تدریس کا ایک مرض

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ

کا ملفوظ ہے کہ آج کل بعض اہل حق میں بھی یہ مرض عام ہوگیا ہے کہ مذاہب مجتہدین میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کا اس طرح موازنہ کرتے ہیں کہ اس سے دوسرے مذاہب کا بطلان کا وہم ہوتا ہے مثلاً مذہب حنفی کے کسی مسئلہ کو اس طرح ترجیح دیں گے کہ اس سے شافعی مذہب کے ابطال کا شبہ ہوگا، سو میں اس طرز کو پسند نہیں کرتا، یہ طرز نہایت ہی خطرناک اور مضر ہے، توحید ورسالت اور عقائد اصل ہیں اور قطعی دلائل اس پر قائم ہیں اس میں سب شریک ہیں، آگے فروع ہیں جن کے دلائل ظنی ہیں ان میں کسی جانب کا جزم کرنا غلوفی الدین ہے۔ (الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۱۰۱)



یہ بڑی نادانی کی بات ہے



حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے تھے کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی رو سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی، لہذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا بلا دلیل ہے بڑی نادانی کی بات ہے، واقعہ یہ ہے کہ دلائل دونوں طرف موجود ہیں، اور کسی ایک مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں دلائل متعارض ہوں، اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ یہ "شافعیہ،، حنابلہ،، یا" مالکیہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقع کے عین مطابق ہوگا، کیونکہ اگر کسی مسلک پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے؟ (معارف مفتیٔ اعظم،، ص ۲۲۶)

نیز فرمایا کہ میں نے ۱۳۴۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے، ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی باب کی مختلف احادیث آئیں تو

حدیث کے تحت فرماتے "فیہ حجۃ ساداتنا المالکیہ،، پھر اس کے مختلف دوسری حدیث آتی تو فرماتے "فیہ حجۃ ساداتنا الحنفیۃ،،



خود تو حنفی بنو، مگر احادیث کو حنفی نہ بناؤ



مفسر قرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بخاری شریف کے دروس کا مجموعہ بنام "انعام الباری،، (جو واقعۃً طلباء اور علماء کے لئے باری تعالی کا انعام ہے) چھپا ہوا ہے، اس میں ایک مقام پر حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ حضرت والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ خود تو حنفی بنو مگر احادیث کو توڑ مروڑ کر لمبی چوڑی تاویلات کر کے اسے حنفی نہ بناؤ، حضرت رحمہ اللہ کے درس کا بھی یہی انداز تھا۔



ملکہ تفہیم



اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو "تفہیم،، کا انوکھا اور خوبصورت ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ تفہیم کے بادشاہ مانے جاتے تھے، تفہیم کے اسی ملکہ نے آپ کے درس حدیث کو دارالعلوم دیوبند میں مقبول بلکہ مقبول ترین بنا دیا تھا۔



درس کی مقبولیت صرف دیوبند تک محدود نہیں تھی



حضرت کے درس کی دھوم صرف دیوبند تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ گجرات کے دارالعلوم تک حضرت کے درس کا چرچا تھا، جب بندہ دارالعلوم اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا تو وہاں کے طلباء میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے درس ترمذی کا خوب شہرہ اور چرچا تھا (حضرتؒ کے برادر خورد، استاذ مکرم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب پالن پوری

دامت برکاتہم العالیہ فی الحال شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ،صوفی باغ،سورت و استاذ حدیث دارالعلوم اشرفیہ،راندیر کے درس ترمذی کا بھی بڑا شہرہ تھا،حضرت الاستاذ کا بھی تفہیم کا انداز اتنا نرالا ہے کہ طلباء کو حضرت کا پڑھایا سبق درس گاہ سے اٹھنے سے پہلے ہی خوب ذہن نشین ہوجاتا ہے،نیز طلباء میں استاذ محترم کے درس ترمذی کو لے کر یہ بات بھی ہوتی تھی کہ آپ کے پاس برادر اکبر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ کے درس ترمذی کی کاپی ہے آپ اس کا مطالعہ کر کے ترمذی شریف کا درس دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

الغرض! آپ اپنی قوت تفہیم کی بدولت مشکل ترین اور دقیق ترین مباحث کو ایسے آسان اور عام فہم انداز میں بیان فرماتے تھے کہ جس سے اعلی،ادنی،اور متوسط صلاحیتوں کا حامل ہر طالب علم بخوبی مستفید ہوتا تھا،آپ گھور کر پلا دینے کے گر سے واقف تھے،آپ کے سبق میں پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھتیں اور سنگلاخ علمی مباحث پانی ہوجاتے،آپ کے اس انداز کو آپ کے سینکڑوں تلامذہ نے حسب ظرف واستعداد جذب کیا اور کامیاب وباتوفیق مدرس بن گئے۔

یہ بھی اعجاز ہے آپ کے نطق کا
بے زبانوں کو طرز کلام آگیا

کلمات میں اللہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ نے اثر رکھا ہے

بعض احادیث فکری ونظری کے بجائے عملی ہوتی ہیں ایسی احادیث کی تشریح میں اگر علمی وفنی موشگافیوں کے بجائے عمل اور تجربہ پیش کیا جائے تو مضمون زیادہ دلنشیں ہوتا ہے اور ساتھ ہی عمل کا داعیہ بھی پیدا ہوتا ہے،حضرت مفتی صاحب ایسی حدیث پر

گفتگو کرتے ہوئے بہت سی دفعہ یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے، دوران درس رقیہ (جھاڑ پھونک) کا مسئلہ زیر بحث آیا تو فرمایا کہ کلمات میں اللہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ نے اثر رکھا ہے، اللہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ پر بھروسہ کرکے اگر ان کو پڑھ کر مریض کو دم کیا جائے تو فائدہ ہوتا ہے، تجربہ کرکے دیکھو! "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، فرمایا بارہا ایسا ہوا کہ میرے والد کو درد سر ہوا میں نے احادیث میں وارد کلمات پڑھ کر دم کیا اور الحمدللہ! تھوڑی ہی دیر میں افاقہ ہوگیا۔

نیز فرمایا کہ ایک مرتبہ فون کیا پتہ چلا والد صاحب کو سر میں تکلیف ہے، میں نے ان سے کہا ریسور سر پر رکھئے، میں نے ادھر سے ریسور میں دم کیا اور الحمدللہ افاقہ ہوگیا۔



مقولہ، محاورات، کہاوتیں، اور اشعار کا برمحل استعمال تحریر وتقریر میں دلچسپی اور روح پیدا کردیتا ہے، یہ چیزیں کسی بھی صورت حال کو چند الفاظ میں بیان کردینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، حضرت مفتی صاحب کے درس میں بھی بوقت ضرورت اس کا استعمال ہوتا تھا۔

'تحفۃ الالمعی' سے چند مثالیں:

درکفے جام شریعت، درکفے سندان عشق

(۱) فرمایا کہ: تصوف میں جو یہ عام خیال پایا جاتا ہے کہ" دنیا مطلقاً بری ہے،، یہ خیال صحیح نہیں، دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو بویا ہے وہی آخرت میں کاٹنا ہے،، اور کھیتی کے سہارے زندگی گذرتی ہے، پس کھیتی فی نفسہ بری کیسے ہوسکتی ہے؟ اس لئے صحیح نظریہ:

'درکفے جام شریعت، درکفے سندان عشق'

نہ تو دنیا کی طرف اتنا ڈھل جائے کہ دنیا ہی کا ہوکر رہ جائے، اور نہ اس طرح آخرت کا ہوکر رہ جائے اور دنیا سے ہاتھ جھاڑ لے کہ اس کے متعلقین پریشان ہوجائیں۔ (تحفۃ الالمعی ج۶ ص ۹۰،۹۱)

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے..........

(۲) فرمایا کہ: دو آنکھوں کو جہنم نہیں چھوئے گی، ایک: وہ آنکھ جو اللہ تعالی کے ڈر سے روئی، دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ تعالی کے راستہ میں پہرہ دیا، کیونکہ اللہ تعالی کے خوف سے جو آنسو نکلتا ہے وہ بڑا قیمتی ہوتا ہے، شاعر کہتا ہے ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے گرے تھے جو عرقِ انفعال کے
(حوالا بالاص ۱۰۱)

عن المرء لاتسئل،واسئل عن قرینه

(۳) فرمایا کہ: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے" آدمی اپنے دوست کے دین (روش) پر ہوتا ہے، پس چاہئے کہ تم میں سے ہر ایک دیکھے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے: عن المرء لاتسئل،واسئل عن قرینه
(حوالا بالاص ۱۴۹)

صبح کا بھولا اگر شام کو لوٹ آئے تو اس کو بھولا نہیں کہتے

(۴) فرمایا کہ: گنہگار کو گناہ کی وجہ سے مایوس نہیں ہونا چاہئے، اللہ تعالی کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، اگر کسی نے سو بار بھی توبہ توڑی ہے اس کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہئے،" کیونکہ صبح کا بھولا اگر شام کو لوٹ آئے تو اس کو دنیا بھولا نہیں کہتی۔
(حوالا بالاص ۴۰۷)

عیاں راچہ بیاں

(۵) فرمایا کہ: علم ایک بہت ہی بدیہی چیز ہے جیسے روشنی اور خوشی ہر شخص سمجھائے بغیر دونوں کو سمجھتا ہے مگر اس کی حقیقت منقح کرنا بہت ہی مشکل کام ہے، اس لئے علم کیا ہے؟ اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ علم کیا ہے؟" عیاں راچہ بیاں،،
(حوالا بالاص ۴۲۵)

مرد باید کہ پند گیرد، ورنبشتہ باشد بر دیوار

(٦) نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: دانشمندی کی بات مؤمن کا گم شدہ جانور ہے،

پس جہاں بھی وہ اس کو پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، یہ حدیث "كلمة الحكمة اور" الكلمة الحكيمة، کے لفظوں سے بھی مروی ہے، اور حدیث کا مطلب وہ ہ جو شیخ سعدی رحمہ اللہ نے ایک شعر میں بیان کیا ہے ؎

مرد باید کہ پند گیرد
ور نبشتہ باشد بر دیوار

یعنی نصیحت اگر چہ دیوار پر لکھی ہوئی ہو اسے لے لینا چاہیے۔


اس وقت آدمی کا شعور کام نہیں کرتا


(۷) فرمایا کہ: سخت غصے میں ایک نیم جنونی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، اس وقت آدمی کا شعور کام نہیں کرتا اور وہ انتہائی اوچھی حرکتوں پر اتر آتا ہے ؎

رفتہ رفتہ آدمی را کم تر سازد غضب
آب را چنداں کہ جوشانند کم تر شود

سخت غصہ آہستہ آہستہ آدمی کو" اوچھا، کردیتا ہے، پانی کو جتنا جوش دیں گے کم ہوتا جائے گا۔ (تحفۃ الالمعی ج۸ ص ۱۱۵)


رحمت حق بہانہ می جوید، بہا نمی جوید


(۸) نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جس مسلمان کا انتقال ہوجائے اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں کی بڑی جماعت پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اس کے لئے سفارش کریں تو اللہ تعالی ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی جماعت سے مراد سو آدمی ہیں، مگر مالک بن ہبیرہؓ لوگوں کی کمی کی صورت میں حیلہ کرتے تھے اور لوگوں کو تین صفوں میں کھڑا کرتے تھے، کیونکہ" رحمت

حق بہانہ می جوید، بہانمی جوید۔ (تحفۃ الالمعی ج ۳ ص ۴۳۴)

گندگی میں ڈھیلا پھینکنے سے کیا فائدہ؟

(۹) فرمایا کہ: اگر میت کی کوئی خوبی سامنے آئے تو اس کا خوب تذکرہ کرنا چاہئے تا کہ لوگوں میں نیک بننے کا جذبہ پیدا ہو اور کبھی معاملہ برعکس ہوتا ہے، میت کے جسم سے بدبو آتی ہے، چہرہ کالا پڑ جاتا ہے، چہرہ قبلہ سے پھر جاتا ہے یا کوئی اور عیب سامنے آتا ہے تو خاموش رہنا چاہئے، اس کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ "گندگی میں ڈھیلا پھینکنے سے کیا فائدہ؟"۔ (حوالا بالا)

ورنہ کالائے بد بہ ریش خاوند

(۱۰) فرمایا کہ: بعض لوگ قبروں پر مراقبہ کرتے ہیں، گھنٹوں سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں، اور بعض لوگ ذکر جہری کرتے ہیں، یہ سب باتیں غیر ثابت اور بدعت ہیں ان سے احتراز چاہئے، اور اس سلسلہ میں کسی بھی بزرگ کا عمل حجت نہیں، حجت قرآن و حدیث اور قرون ثلاثہ کا تعامل ہے۔

جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کا رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ"، چھپا اور وہ حضرت گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں پہنچایا گیا تو آپ نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ طالب علم سے فرمایا: اس کو حمام میں جھونک دو اور فرمایا: ہم نے حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت طریقت میں کی ہے، شریعت میں نہیں کی، اور یہ واقعہ ہے کہ بعض حضرات انتہائی کبر سنی میں کچھ بدعات کی طرف مائل ہوجاتے ہیں، اس لئے اگر بزرگوں کا عمل کتاب وسنت کے مطابق ہے تو سر آنکھوں پر "ورنہ کالائے بد بہ ریش خاوند"۔ (حوالا بالا ص ۴۶۲)

گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا موقع ہے

(۱۱) فرمایا کہ: اگر کوئی مجبوری ہو جس کی وجہ سے دعوت قبول کرنے میں دشواری ہو تو جس وقت دعوت دی جائے اسی وقت عذر کر دینا چاہئے، یہاں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ عذر نہیں کرتے اور جاتے بھی نہیں، یہ غلط ہے، اس لئے کہ اس کے حصہ کا کھانا پک چکا ہے جو بے کار جائے گا، اور بعض رشتہ دار بروقت روٹھ جاتے ہیں، یہ بھی غلط ہے، اس سے میزبان کی رسوائی ہوتی ہے، پھر خوشی کے موقع پر "گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا موقع ہے۔ (حوالا بالا ص ۵۱۳)

نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے

(۱۲) فرمایا کہ: مدارات کے معنی ہیں، رکھ رکھاؤ، طرح دینا، خاطر کرنا، اس طرح معاملہ کرنا ہے کہ" نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے،، حافظ شیرازی کے ایک شعر سے یہ بات خوب سمجھ میں آجائے گی، فرماتے ہیں۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدار

یعنی دونوں جہاں کا آرام ان دو باتوں میں مضمر ہے، دوستوں کے ساتھ نرمی اور دشمنوں کے ساتھ وضع داری۔

اسی طرح بیویوں کے ساتھ بڑا پن برتا جائے اور اوچھا معاملہ نہ کیا جائے تو گاڑی پٹری سے اترنے نہیں پائے گی۔ (تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۸۶)

قدر نعمت بعد زوال نعمت

(۱۳) فرمایا کہ: قیاس کا مقتضی یہ تھا کہ طلاق ایک ہی ہوتی مگر چونکہ طلاق کے بعد

غور وفکر اور سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض لوگوں کو بیوی کی قدر و قیمت جدائی کے بعد معلوم ہوتی ہے، مشہور ہے "قدر نعمت بعد زوال نعمت"، اس لئے ایک سے زیادہ طلاقیں مشروع کی گئیں۔ (حوالا بالا ص ۸۶)

اب کیا ہوت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت

(۱۴) فرمایا کہ: الحلال بین والحرام بین وبین ذلك امور مشتبہات اس حدیث میں مؤمن کا ایک خاص مزاج بنایا گیا ہے، مؤمن کا مزاج یہ ہونا چاہئے کہ وہ محتاط زندگی گذارے، فرمایا: حلال واضح ہے، پس اسے بے تکلف اختیار کرو، اور حرام بھی واضح ہے پس اس کے قریب بھی مت جاؤ، اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، مشتبہ چیزیں کیا ہیں؟

اس کی تفصیل ادھر ادھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اسی حدیث کے اگلے جملہ میں اس کی وضاحت ہے، فرمایا: جن کے بارے میں بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ وہ حلال میں سے ہیں یا حرام میں سے؟ یہی مشتبہ امور ہیں۔

بڑے علماء تو ان کے احکام جانتے ہیں کہ وہ جائز ہیں یا ناجائز، مگر عام مسلمان جب وہ چیزیں پہلی مرتبہ ان کے سامنے آتی ہیں تو وہ ان کا حکم شرعی نہیں جانتے، وہ ان کے حق میں مشتبہ چیزیں ہیں، ایسی چیزوں کے بارے میں کچھ لوگوں کا ذہن اور مزاج ہوتا ہے کہ ابھی کرلو، جب عدم جواز کا فتوی آئے گا چھوڑ دیں گے، یہ مزاج اور ذہن غلط ہے۔

اس حدیث میں یہ اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ ایسی مشتبہ چیزوں کے بارے میں مؤمن کا مزاج اور ذہن یہ ہونا چاہئے کہ ابھی بچو جب جواز کا فتوی آئے گا تب ان

کو اختیار کریں گے، اس صورت میں آدمی کا دین اور آدمی کی عزت محفوظ رہے گی، اگر حکم شرعی معلوم ہونے سے پہلے بے احتیاطی سے اس امر کا ارتکاب کرلیا پھر عدم جواز کا فتوی آیا "تو اب کیا ہوت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت! وہ تو ناجائز امر کا ارتکاب کر چکا۔ (حوالا بالاص ۱۰۳، ۱۰۴)

یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں، کھانے کے نہیں

(۱۵) فرمایا کہ: اب دینار و درہم کی جگہ کرنسی نوٹ آگئے ہیں، ان کا حکم کیا ہیں؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ کرنسی نوٹ دراصل سونے چاندی کا حوالہ ہیں، ہر نوٹ پر گورنر کی طرف سے یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ میں حامل کو اتنی رقم ادا کرنے کا ذمہ دار ہوں یعنی اگر کوئی زر کا مطالبہ کرے تو گورنر اس کو اتنا سونا چاندی دینے کا ذمہ دار ہے، "مگر یہ ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں، کھانے کے نہیں۔ (حوالا بالاص ۱۵۵)

نہ لگے مہندی، نہ لگے پھٹکڑی، اور رنگ آئے چوکھا

(۱۶) فرمایا کہ: ایک صحابی حضرت حبان بن منقذؓ تھے، ان کی گرہ میں کمزوری تھی، اس لئے کاروبار کرتے تھے اور گھاٹا پاتے تھے، سامان کتنے میں خریدا یہ بات بھول جاتے تھے اور اپنے خیال میں نفع رکھ کر بیچ دیتے تھے، اس طرح نقصان اٹھاتے تھے، مثلاً گھر سے ہزاز روپے لے کر چلے، دن بھر بیچا خریدا اور شام کو نو سو روپے لے کر لوٹے، سو روپے کا گھاٹا ہوگیا، ان کے گھر والے ان کو کاروبار سے منع کرتے تھے مگر وہ مانتے نہیں تھے، چنانچہ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور ان پر "حجر"، (شرعاً کسی کو جنون یا کم عقلی یا کم عمری کی بنا پر تصرف کرنے سے روکنے) کا مطالبہ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر کاروبار کرنے سے منع کیا، مگر انہوں نے عرض کیا، یا

رسول اللہ! میں کاروبار کرنے سے صبر نہیں کر سکتا! چنانچہ آپ نے ان کو ایک ایسی تدبیر بتائی کہ ”نہ لگے مہندی، نہ لگے پھٹکڑی، اور رنگ آئے چوکھا!

فرمایا جب کوئی چیز بیچو تو کہہ دیا کرو” ھاء و ھاء ولا خلابۃ، لو اور لاؤ سودے میں کوئی دھوکہ نہیں! بے غل وغش معاملہ ہے،” ولی الخیار ثلاثہ ایام، اور مجھے تین دن تک بیع رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے (یہ الفاظ مستدرک حاکم میں ہیں)

اس تدبیر کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب بھول یاد آئے گی تو معاملہ ختم کر دیں گے اور نقصان سے بچ جائیں گے، چنانچہ انہوں نے ہر ایک سے یہ کہنا شروع کر دیا پس رفتہ رفتہ ان کا کاروبار ٹھپ پڑ گیا، کیونکہ تین دن تک کون انتظار کرے گا۔ (حوالا بالاص ۱۶۹، ۱۷۰)

بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں

(۱۷) فرمایا کہ: جاننا چاہئے کہ جتنے حیلے ہیں سب میں کہیں نہ کہیں پانی مرتا ہے، مثلاً رمضان میں حفاظ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ ایک یا دو نمازیں اپنے ذمے لے لیتے ہیں تاکہ ختم قرآن پر جو نذرانہ ملے وہ نماز پڑھانے کی اجرت بن جائے، یہ حیلہ درست ہے مگر اس صورت میں پہلے تنخواہ طے کرنی ضروری ہے، ورنہ اجارہ فاسد ہوگا اور حیلہ کرنے والے تنخواہ مقرر نہیں کرتے وہ (فر من المطر وقام تحت المیزاب" بارش سے بھاگ کر پرنالے کے نیچے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (حوالا بالاص ۱۷۶ بتغیر)

جاہلیت میں تو بڑے سورما تھے اسلام میں بھیگی بلی بن گئے

(۱۸) مانعین زکوٰۃ کے خلاف خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کی رائے جہاد کی تھی جبکہ دیگر بہت سے صحابہ کی طرح حضرت عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو جہاد میں تامل تھا، جس کا اظہار انہوں نے حضرت ابوبکر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے کیا، اس پر حضرت ابوبکر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے جو

مومنانہ اور جوشیلے جملے ارشاد فرمائے ان میں ایک جملہ یہ بھی ہے "یا عمر اجبار فی الجاهلیۃ وخوار فی الاسلام" عمر! جاہلیت میں تو بڑے سورما تھے اسلام میں بھیگی بلی بن گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ درس میں موقع بموقع اپنے مخصوص دل کش انداز میں مختلف علمی وتفریحی نشاط آفریں فقرے اور لطائف وقصص سے طلبہ کو محظوظ فرماتے تھے تاکہ درس کی اکتاہٹ ختم ہو کر ان کے روح ودماغ میں نئی تازگی پیدا ہو جائے۔

چند مثالیں

ہمیشہ "زینت"، کو لے کر مسجد جانے کی وجہ

(۱) فرمایا کہ: ایک صاحب کی بیوی کا نام "زینت"، تھا وہ ہمیشہ اپنی بیوی کو لے کر مسجد میں نماز پڑھنے آتے، اکیلے کبھی نہیں آتے، کسی نے اس کی وجہ معلوم کی، تو فرمایا اللہ پاک کا حکم ہے، لوگوں نے پوچھا: کہاں حکم ہے؟ تو انہوں آیت پڑھی "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ" اپنی زینت،، لے کر مسجد جاؤ اکیلے مت جاؤ۔

(تحفۃ الالمعی ج ۲ ص ۱۶۳)

اب تک تو تمہیں حافظ حدیث ہو جانا چاہئے تھا

(۲) دورۂ حدیث شریف میں انتظامیہ کی طرف سے ایک ملازم مامور ہوتا ہے، جو برقی امور کو دیکھتا ہے تاکہ مائک کا انتظام مختل نہ ہو۔ ایک مرتبہ آپ اس ملازم سے فرمانے لگے کہ سالوں سے تم یہاں بیٹھتے ہو، تمام شیوخ کے دروس سنتے ہو، اب تک تو تمہیں حافظ حدیث ہو جانا چاہئے تھا، اس پر محفل درس میں ہنسی کی لہر دوڑ گئی، خود حضرت بھی مسکرانے لگے اور وہ ملازم بھی ہنس پڑا۔

"نص فہمی،،کو"نسخ فہمی،،سمجھ بیٹھا

(۳) بعض اوقات ائمہ کے مختلف فیہ مسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے کہ اس مسئلے میں "نص فہمی،،یعنی دلیل فہمی کا اختلاف ہے، دلیل کا اختلاف نہیں ہے، یعنی ایک ہی نص کو کسی امام نے ایک طرح سمجھا ہے اور اسی نص کو دوسرے امام نے دوسری طرح سمجھا!

اسی پس منظر میں ایک مرتبہ دوران درس فرمایا کہ طلباء اصطلاح بھی نہیں سمجھتے، مجھ سے ایک طالب علم نے پوچھا کہ آپ جو یہ "نسخ فہمی،، ارشاد فرماتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

طالب علم اپنی کم علمی کی وجہ سے "نص فہمی،،کو"نسخ فہمی،،سمجھ بیٹھا جس کا اس تناظر میں کوئی معنی نہ تھا، اس لئے طلبہ اس علمی لطیفے سے خوب محظوظ ہوئے اور ہنسنے لگے، اور حضرت بھی تبسم فرمانے لگے۔ (بروایت اسعد اللہ صاحب قاسمی)

سب میٹھا، محمد گھیسا

(۴) فرمایا کہ: ایک دیہاتی نے حضرت تھانوی قدس سرہ سے کہا: حضرت جی! میرا بھی سجع کہدے، حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللهُ نے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا، محمد گھیسا، حضرت نے اس کا سجع کہا "سب میٹھا محمد گھیسا،، یعنی سارا جگت چھاچھ ہے اور حضرت محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس میں گھی کی مثال ہیں۔ (تحفۃ الالمعی ج ۵ ص ۷۶)

خربوزہ شکر سے میٹھا

(۵) فرمایا کہ: ایک شخص خربوزہ بیچ رہا تھا اور صدا لگا رہا تھا "خربوزہ شکر سے میٹھا، خربوزہ شکر سے میٹھا،، ایک شخص نے سوچا بڑھیا خربوزہ ہے، وہ خرید کر لے گیا، گھر جا کر

کاٹا تو بالکل پھیکا تھا، وہ خربوزہ لئے ہوئے دوکان پر آیا اور کہا "چکھ کہاں میٹھا ہے؟ دوکاندار نے کہا تو نے شکر ڈالی ہے؟ میں نے کہا تھا "خربوزہ شکر سے میٹھا،، یعنی شکر ڈال میٹھا ہو جائے گا۔ (حوالا بالا ص ۱۸۳)

اپنے لئے تو مرغی چرغی چلے گی

(۶) فرمایا کہ: ایک مولانا صاحب نے میزبان سے پوچھا: کیا پکاؤ گے؟ میزبان نے از راہ تواضع کہا، دال روٹی پیش کروں گا، مولانا صاحب نے کہا "دال بڑا مال! یہ چیز تو حضور کو بھی نصیب نہیں ہوئی تھی، اپنے لئے تو مرغی چرغی چلے گی۔ (تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۲۶۳)

چمچہ لے کر آیا کرو اور جہاں آواز پھنسے، گلے میں چلا لیا کرو

(۷) ایک دفعہ ایک طالب علم عبارت پڑھتے ہوئے بار بار گلا صاف کر رہا تھا، اس پر حضرت رَحِمَہُ اللّٰہ نے فرمایا سنو! سب طلبہ متوجہ ہو گئے، تو ارشاد فرمایا کل سے چمچہ لے کر آیا کرو اور جہاں آواز پھنسے، گلے میں چلا لیا کرو، اس بات پر سب طلباء ہنسنے لگے، حضرت رَحِمَہُ اللّٰہ بھی متبسم ہوئے اور فرمایا چلو آگے پڑھو۔

تجھ سے اچھا تو میں ہی پڑھ لوں

(۸) طالب علم عبارت پڑھ رہا تھا، پڑھنے میں اس سے کچھ غلطی ہو گئی، اس پر ٹوکتے ہوئے فرمایا "تیری چڑیا جیسی تو آواز ہے، بس رہنے دے تجھ سے اچھا تو میں ہی پڑھ لوں۔

ادھر ایک گدھا بیٹھتا ہے جو سلام کا جواب چبا چبا کر دیتا ہے

(۹) حضرت رَحِمَہُ اللّٰہ کے ایک شاگرد نے اپنا ذاتی واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت رَحِمَہُ اللّٰہ کا معمول تھا کہ درس گاہ میں داخل ہو کر مسند کے پاس کھڑے کھڑے سلام

فرماتے، طلبہ جواب دیتے، میری عادت تھی میں سب سے الگ انداز میں پوری تجوید کے ساتھ عربی لہجے میں سب سے بلند آواز میں جواب دیتا، ایک روز حضرت تشریف لائے اور حسب معمول سلام کیا، میں نے اسی انداز میں جواب دیا، تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "ادھر ایک گدھا بیٹھتا ہے جو سلام کا جواب چبا چبا کر دیتا ہے،، میں سمجھا حضرت والا کو برا لگتا ہوگا دو تین دن تک معمولی آواز میں جواب دیا، غالباً چوتھے روز جب تشریف لائے تو فرمایا ادھر اس طرف ایک گدھا بیٹھتا تھا اور سلام کا جواب دیتا تھا وہ کہاں چلا گیا اس کی آواز ہی نہیں آتی اب؟

پرانی یادگار

(۱۰) فرمایا کہ: ایک جیل بھر گئی، جج نے جیلر کو حکم دیا کہ کوئی بہانہ بنا کر جیل خالی کردو، جیلر ایک ایک کو بلاتا اور پوچھتا: تم کتنے دن سے جیل میں ہو؟ ایک نے کہا: تین مہینہ سے، جیلر نے اس کو کوئی گفٹ دی اور کہا: جاؤ، پھر دوسرے سے پوچھا: اس نے کہا: ایک سال سے، اس کو بھی کوئی بڑی گفٹ دی اور چلتا کیا، ایک بڑے میاں بیس سال سے جیل میں تھے، انہوں نے سوچا: مجھے تو کوئی بہت بڑا ہدیہ ملے گا، جیلر نے ان سے پوچھا: آپ کب سے یہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: بیس سال سے، جیلر نے کہا" آپ تو ہماری پرانی یادگار ہیں، آپ یہیں رہیں! بڑے میاں بیچارے دل مسوس کر رہ گئے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۶ ص ۱۱۱)

حضرت رحمۃ اللہ ترمذی شریف کے درس میں دورۂ حدیث شریف کے طلبہ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ یاد کراتے تھے، اسی طرح ابواب الدعوات میں بعض مقامات پر طلباء کو تاکیدی نصیحت کرتے تھے کہ طلبہ اس کو یاد کرلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

لفظ "اللہ"، کو اسماء حسنیٰ میں شمار کیا گیا ہے، جو صحیح نہیں

فرمایا کہ: بعض لوگوں نے (لفظ) "اللہ"، کو اسماء حسنیٰ میں شمار کیا ہے، کیونکہ ہندوستانی نسخہ میں اسماء حسنیٰ میں "الاحد"، چھوٹ گیا ہے، اس لئے ننانوے کا عدد پورا کرنے کے لئے (لفظ) "اللہ"، کو اسماء حسنیٰ میں شمار کیا گیا ہے: جو صحیح نہیں۔ (تحفۃ الالمعی ج ۸ ص ۱۶۱)

لوگ عام طور پر اسماء حسنیٰ سے غافل ہوتے ہیں

فرمایا کہ: اسماء حسنیٰ کو یاد کرے، ان کو وظیفہ بنائے، اور ان کے ذریعہ دعا کرے ان شاء اللہ اس کی دعا قبول ہوگی اور آخرت میں جنت نشیں ہوگا۔

نیز فرمایا کہ: لوگ عام طور پر اسماء حسنیٰ سے غافل ہوتے ہیں، اسماء حسنیٰ کاغذ پر چھاپ کر برکت کے لئے گھر میں ضرور لٹکاتے ہیں، مگر یاد کوئی نہیں کرتا، حالانکہ گھر میں ایک سے زیادہ قرآن شریف موجود ہوتے ہیں، جو برکت کے لئے کافی ہیں، مگر قرآن شریف کی برکت بھی اس وقت ہوگی جب اس کو پڑھا جائے، محض رکھ چھوڑنے سے پورا فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا، اسی طرح اسماء حسنیٰ کا فائدہ بھی اس وقت حاصل ہوگا جب ان کو یاد کیا جائے، محض گھر میں لٹکانے سے فائدۂ مقصودہ (دخول جنت) حاصل نہیں ہوگا..........

(اضافہ: اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے شروع میں اسماء حسنیٰ شائع کئے جاتے ہیں تاکہ تلاوت کرنے والے اور حفظ کرنے والے ان کو یاد کریں، مگر

لوگوں نے ان کو محض زینت قرآن خیال کر رکھا ہے (یہی حال مسجد کی دیواروں پر لکھے گئے اسماء حسنی کا ہے، علامہ رفیق احمد صاحب بھیسانیؒ کے مواعظ میں ہے، فرمایا کہ: جب مسجد میں داخل ہوتو مسجد میں داخلے کی دعا پڑھ لیا کرو، ہماری مسجدوں میں مسجد میں داخل ہونے کی دعا دروازہ پر لکھی ہوتی ہے، دیوار پر لکھی ہوتی ہے، اس پر لکھنے سے کام نہیں چلتا، جب تک وہ ہماری زبان سے نہ نکلے، یہ دیواروں پر اور دروازوں پر جو اسماء حسنی لکھدیئے گئے ہیں، یہ ایک زمانہ خطرناک بھی آسکتا ہے، جیسے دوسری قومیں اور دوسری ملتیں تباہ ہوگئیں اور رسومات ان کے یہاں پھیل گئیں، ہفتہ میں ایک دن گھنٹی بجادو عبادت کا حق ادا ہوگیا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری در و دیوار پر یہ کلمات لکھے ہوئے ہوں اور ہماری زبانیں ان سے گونگی ہوجائیں۔

حضرات صحابہ کے زمانہ میں دیواروں پر یہ کلمات نہیں لکھے جاتے تھے، دلوں پر لکھے جاتے تھے، زبانوں پر ادا ہوا کرتے تھے، یہ فرق ہوگیا ہے، آج ہر چیز ہماری کاغذوں میں لکھی ہوئی ہے، کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، اچھے سے اچھے کاتب لکھتے ہیں، عمدہ سے عمدہ اس کے نقشے بنائے جاتے ہیں، گھروں کی دیواروں پر ان کو آویزاں کردیتے ہیں اور پھر ان کا ورد زبان پر یا دل پر نہیں آتا)

اساتذہ سارا قرآن کریم بچوں کو حفظ کرادیتے ہیں مگر یہ نام پاک یاد نہیں کراتے یہ بڑی کمی ہے، حفظ کے اساتذہ کو چاہئے کہ پہلے خود یہ اسماء حسنی یاد کریں، پھر حفظ کے ہر بچے کو یاد کرائیں، بچپن کا یاد کیا ہوا پتھر کی لکیر ہوجاتا ہے، بچہ بڑا ہوکر ان کا ورد کرے گا تو استاذ کو بھی اس کا ثواب پہنچے گا، میں دورۂ حدیث شریف کے تمام طلبہ کو سال کے شروع میں یہ نام یاد کراتا ہوں، پس حدیث کے اساتذہ کو بھی ایسا ہی

کرنا چاہئے، دیکھئے میری آواز صدا بصحرا تو نہیں ہوتی! (حوالا بالا ص ١٦٩)

ایک قیمتی ذکر

(١) فرمایا کہ: جب بھی کوئی پریشانی پیش آئے خواہ وہ دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا تو "حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ توکلنا" بار بار کہنا چاہئے، یہ بہت قیمتی ذکر ہے، اس سے بڑی سے بڑی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے، طلبہ یہ یاد کرلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ (تحفۃ الالمعی ج٦ ص ٢٠١)

اس سے دین اسلام کے ساتھ تعلق تازہ اور مستحکم ہوتا ہے

(٢) فرمایا کہ: مسند احمد میں ہے جو مسلمان صبح وشام تین دفعہ یہ ذکر کرے "رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا" اس سے اللہ، رسول اور دین اسلام کے ساتھ تعلق تازہ اور مستحکم ہوتا ہے، اس لئے اس کا یہ صلہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالی اس کو بے حساب ثواب سے راضی اور خوش کردیں گے (پس طلبہ یہ ذکر یاد کرلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں) (تحفۃ الالمعی ج٨ ص ٦١)

طلبہ کو چاہئے کہ وہ سید الاستغفار یاد کرلیں

(٣) فرمایا کہ: طلبہ کو چاہئے کہ وہ سید الاستغفار یاد کرلیں اور صبح وشام ایک مرتبہ اس کو پڑھ لیا کریں، سید الاستغفار یہ ہے:

اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عھدك ووعدك ما استطعت اعوذبك من شر ما صنعت وابوء لك بنعمتك علی واعترف بذنوبی فأغفر لی ذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت

اس کو ہر طالب علم یاد کرلے

(۴) فرمایا کہ: اللھم قنی عذابك یوم تبعث عبادك" یہ سب سے چھوٹا ذکر ہے، اس کو ہر طالب علم یاد کرلے اور سوتے وقت اس کے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

(حوالا بالا ص ۷۰)

مقروض کے لئے ایک اہم دعا

(۵) فرمایا کہ یہ دعا ان بندگان خدا کے زیادہ حسب حال ہے جو مقروض و پریشان حال ہو:

اللھم رب السموات ورب الارضین، وربنا ورب کل شئی، فالق الحب والنوی، ومنزل التوراۃ والانجیل والقرآن، اعوذبك من شر کل ذی شر، انت آخذ بناصیتہ، انت الاول، فلیس قبلك شئی، وانت الآخر، فلیس بعدك شئی، وانت الظاھر، فلیس فوقك شئی، وانت الباطن، فلیس دونك شئی، اقض عنی الدین، واغننی من الفقر

جو مقروض اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہیں وہ یہ دعا کر کے سوئیں اور رب کریم سے امید رکھیں کہ وہ رزق میں کشائش کی کوئی صورت پیدا فرمائیں گے۔ (حوالا بالا ص ۷۱)

ان کو یاد کرلیں

(۶) فرمایا کہ: اللھم باسمك اموت واحیی،

الحمد للہ الذی احیا نفسی بعد ما اماتھا والیہ النشور"،

سونے اور جاگنے کی یہ دعائیں بہت مختصر ہیں، طلبہ ان کو یاد کرلیں اور معمول بنائیں۔

(حوالا بالا ص ۸۲)

یہ اذکار یاد کریں اور ان کو سجدۂ تلاوت میں پڑھیں

(۷) فرمایا کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

تہجد میں آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کرتے تھے، تو یہ دعا پڑھتے تھے ”سجد وجھی للذی خلقه، وشق سمعه، وبصره، بحوله وقوته“ اس ذات کے لئے میرے چہرے نے سجدہ کیا جس نے اس کو پیدا کیا، اور جس نے اس میں سماعت و بصارت کو پھاڑا یعنی جلوہ گر کیا، اپنی قدرت اور طاقت سے' یہ اذکار یاد کریں اور ان کو سجدۂ تلاوت میں پڑھیں) (حوالا بالا ص ۹۵)

اس سے مجلس میں جو لغو باتیں ہوتی ہیں معاف ہو جاتی ہیں

(۸) سبحانك اللهم وبحمدك، اشهد ان لا اله الا انت، استغفرك واتوب اليك رب اغفر لی، وتب علی، انك انت التواب الغفور

یہ دونوں دعائیں بہت مختصر ہیں اور جامع کلمات ہیں، طلبہ ان کو یاد کرلیں اور اپنا معمول بنائیں، پہلی دعا کفارۃ المجلس کہلاتی ہے، اس سے مجلس میں جو لغو باتیں ہوتی ہیں، معاف ہو جاتی ہیں۔

لوگ فضائل کی تعلیم کے بعد تو اس دعا کا اہتمام کرتے ہیں جبکہ اس مجلس میں کوئی لغو بات نہیں ہوتی، مگر وہ حضرات بھی اپنی دیگر مجالس میں اس ذکر کا اہتمام نہیں کرتے، یہ بات ٹھیک نہیں، اور عام مسلمان تو گویا کفارۃ المجلس جانتے ہی نہیں، فیا للاسف! (حوالا بالا ص ۱۰۲)

مختصر مگر جامع دعا

(۹) فرمایا کہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: اللهم انی اسالك الهدى، والتقى، والعفاف، والغنى

اے اللہ! میں آپ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاک دامنی اور مالداری مانگتا ہوں!




یہ ایک مختصر جامع دعا ہے، طلبہ اس کو یاد کرلیں۔ (حوالا بالا ص ۱۴۳)

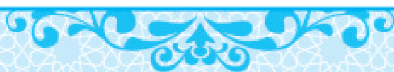
ایک اور جامع دعا

(۱۰) فرمایا کہ: حضرت ابوامامہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے (کسی خاص موقعہ پر حیات مبارکہ میں) بہت سی دعائیں فرمائیں، جن میں سے ہمیں کچھ بھی یاد نہ رہا (اور ہم چاہتے ہیں کہ وہ سب دعائیں مانگیں، پس ہم کیا کریں) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا "کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتلاؤں جس میں وہ ساری دعائیں آجائیں؟ کہو:

اللهم انا نسئلك من خير ما سالك منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم، ونعوز بك من شر ما استعاذ منه نبيك محمد صلى الله عليه وسلم، وانت المستعان، وعليك البلاغ، ولا حول ولا قوة الا بالله

اے اللہ! ہم آپ سے وہ سب کچھ مانگتے ہیں جو آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے مانگا ہے اور ہم ان سب چیزوں سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں جن سے آپ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ چاہی ہے، اور آپ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے، اور مقاصد اور مرادوں تک پہنچنا آپ ہی کے کرم پر موقوف ہے اور کچھ طاقت وقوت نہیں مگر آپ ہی کی مدد سے!

تشریح: دنیا میں ایسے بندوں کی تعداد زیادہ ہے جو تمام ماثور دعائیں یاد نہیں کرسکتے ان کے لئے نہایت آسان اور جامع دعا ہے، لوگ چاہیں تو اپنی زبان میں یہ دعا مانگیں اس ایک دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری دعائیں آجاتی ہیں، پس طلبہ اس کو ضرور یاد کرلیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ (حوالا بالا ص ۱۸۰، ۱۸۱)






اکابر کا صحاح ستہ کا طرز تدریس..........

اکابر کا صحاح ستہ کا طرز تدریس یہ رہا ہے کہ وہ بعض مسائل میں اپنی ذاتی رائے پیش فرماتے تھے۔




چکی کا پاٹ

(۱) قطب الاقطاب، برکۃ العصر، استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ جب درس بخاری میں کسی موقع پر اپنی ذاتی رائے پیش فرماتے تو یوں گویا ہوتے کہ "چکی کا پاٹ،، یہ کہتا ہے۔




ایجاد بندہ، گرچہ گندہ

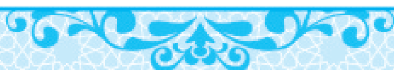
(۲) حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ نے مرکز نظام الدین، دہلی کے "مدرسہ کاشف العلوم،، میں بارہ (۱۲) سال تک بخاری شریف کا درس دیا ہے، آپ کے ایک تلمیذ مولانا محمد الیاس صاحب میواتی آپ کے درس بخاری کے طرز تدریس کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ کا طرز تدریس بخاری شریف میں یہ رہتا تھا کہ آپ پہلے تراجم ابوب پر خوب سیر حاصل بحث کرتے، پھر اسماء رجال پر، اس کے بعد متن حدیث کے ایک ایک لفظ سے متعلق تمام شراح بخاری کے اقوال نقل فرماتے، اس کے بعد فرماتے "ایجاد بندہ گرچہ گندہ،، بندے کی رائے اس میں یہ ہے۔

(دعوت وتبلیغ کے حضرت جی ثالث حضرت مولانا محمد انعام الحسن ج ا ص ۲۱۰)




ذاتی رائے پیش کرتے وقت یوں گویا ہوتے کہ..........

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی درس ترمذی اور درس بخاری میں بعض مسائل میں اپنی ذاتی رائے پیش فرماتے، ذاتی رائے پیش کرتے وقت یوں فرماتے



کہ "میری ذاتی رائے یہ ہے، کبھی فرماتے میری ناقص رائے یہ ہے، کبھی فرماتے میرا عمل یہ ہے.........رکوع کے بعد قومہ میں دعا پڑھ لیتا ہوں۔

اور سجدۂ سہو نہیں کرتا

(۱) تحفۃ الالمعی جلد ثانی ص۳۲۱ پر ہے:

فرمایا کہ: دعاءِ قنوت رکوع سے پہلے پڑھنی ہے یا بعد میں؟ اس سلسلہ میں صحابہ کا عمل مختلف تھا اور یہ اختلاف جواز وعدم جواز کا نہیں ہے بلکہ افضلیت اور غیر افضلیت کا ہے، "میرا عمل یہ ہے کہ جب میں رکوع سے پہلے دعا پڑھنا بھول جاتا ہوں تو رکوع کے بعد قومہ میں دعا پڑھ لیتا ہوں اور سجدۂ سہو نہیں کرتا،، اگرچہ فقہ میں اس صورت میں سجدۂ سہو ضروری لکھا ہے۔

دبر الصلوات میں فرضوں کے متعلقات بھی شامل ہیں

(۲) تحفۃ الالمعی جلد ثانی ص۲۴۸ پر ہے:

فرمایا کہ: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں تحریر فرمایا ہے کہ "الباقیات الصالحات،، (مراد نماز کے بعد کی تسبیح یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور دس مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھنا) فرضوں کے بعد متصلاً پڑھنے چاہئیں، "مگر میری ناقص رائے یہ ہے کہ دبر الصلوات میں فرضوں کے متعلقات بھی شامل ہیں، پس سنن ونوافل سے فارغ ہوکر یہ "باقیات پڑھنے چاہئیں،، تاکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث پہلے گذری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرضوں کے بعد صرف "اللھم انت السلام کے بقدر بیٹھتے تھے،، اس کے خلاف لازم نہ آئے۔




میری رائے میں انبیاء بھی گہری نیند سوتے ہیں

(۳) تحفۃ الالمعی جلد ثانی ص ۲۹۲ پر ہے:

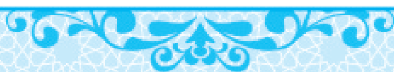
فرمایا کہ: چونکہ انبیاء کا دل نہیں سوتا یعنی وہ چوکنا سوتے ہیں اس لئے اگر کوئی ناقض وضو بات پیش آئے گی تو ان کو پتہ چل جائے گا، اس لئے انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں، اور امت بھی اگر چوکنا سوئے تو سونے کی وجہ سے ان کی بھی وضو نہیں ٹوٹتی، اور چوکنا سونا کیا ہے؟

اس کی ظاہری علامت یہ طے کی گئی ہے کہ کھڑے ہوکر، رکوع، سجدہ اور قعدہ کی حالت میں یا مقعد زمین پر جما کر سوئے، تو چوکنا سونا ہے، پس اس طرح سونے سے وضو نہیں ٹوٹتی، اور ٹیک لگا کر سونا، یا چت لٹ کر یا کروٹ پر سونا غفلت والا سونا ہے پس یہ نیند ناقض وضو ہے اور پیچھے یہ بات بھی بیان کی جا چکی ہے کہ یہ قاعدہ ہے کہ انبیاء کی نیند ناقض وضو نہیں اگر چہ کتابوں میں عام لکھا ہے، "مگر میری رائے میں انبیاء بھی گہری نیند سوتے ہیں ورنہ نیند کا فائدہ یعنی تھکن دور ہونا اور بدن میں چستی پیدا ہونا حاصل نہیں ہوگا، اور اس نیند کا حکم چوکنا سونے والی نیند سے علحدہ ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ آپ عشا کے بعد سوئے ہوں پھر بیدار ہوکر وضو کئے بغیر تہجد پڑھی ہو، ہاں تہجد کے درمیان یا چار رکعت کے بعد یا تہجد اور وتر کے درمیان سوتے تھے تو نئی وضو کئے بغیر نماز پڑھتے تھے، کیونکہ ان اوقات میں آپ چوکنا سوتے تھے اور عشاء کے بعد رات بھر گہری نیند سوتے تھے۔




وتر کے بعد بھی نفل پڑھنا جائز ہے

(۴) تحفۃ الالمعی جلد ثانی ص ۳۰۷، ۳۰۸ پر ہے:



حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حکم دیا کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ حکم ابوذر غفاری اور ابو الدرداء رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کو بھی دیا ہے)

تشریح: اس حدیث میں وتر سے کیا مراد ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ وتر حقیقی مراد ہے اور یہی بات عام طور پر سمجھی گئی ہے، اور حضرت کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو بیدار ہونے کا یقین یا ظن غالب ہو اسے وتر مؤخر کرنے چاہئیں وہ تہجد کے بعد وتر پڑھے اور جسے بیدار ہونے کا یقین نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ عشا کے بعد وتر پڑھ لے پھر سوئے، پھر اگر اللہ تعالی کی توفیق سے بیدار ہو جائے تو تہجد پڑھے، وتر کے بعد بھی تہجد پڑھنا جائز ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے تہجد کے بعد دو نفلیں پڑھی ہیں، پس وتر کے بعد بھی نفل پڑھنا جائز ہے اور وتر دوبارہ نہ پڑھے۔

"مگر میری رائے میں حدیث مذکور میں صرف وتر مراد نہیں ہے بلکہ وتر اور صلاۃ اللیل کا مجموعہ مراد ہے، اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اٹھنے کا یقین نہ ہو، اس کے مشاغل ایسے ہوں کہ وہ اٹھ نہیں سکتا یا دیر سے سوتا ہے، یا طبعی طور پر مزاج ایسا ہے کہ پڑا اور مرا ایسے لوگوں کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ سونے سے پہلے تہجد کی نیت سے نفلیں پڑھ لیں، پھر وتر پڑھیں اور سو جائیں، یہ تہجد نہیں ہے بلکہ ایڈوانس بدل ہے، جیسا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جب کسی وجہ سے تہجد نہیں پڑھ پاتے تھے تو سورج نکلنے کے بعد بارہ رکعت پڑھتے تھے، ظاہر ہیں یہ نفلیں تہجد نہیں ہیں بلکہ اس کا بدل ہیں اور بدل مؤخر بھی ہو سکتا ہے اور مقدم بھی، غرض حدیث میں حقیقی وتر مراد نہیں بلکہ تہجد کا بدل مراد ہے۔

اور دلیل یہ ہے کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کا حکم ہر مسلمان کے لئے ہے اور سب مسلمان وتر پڑھ کر ہی سوتے ہیں، وتر مؤخر کرنے کا حکم یا فضیلت صرف تہجد گذاروں کے لئے ہے، پھر حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وغیرہ کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم دینا اور وصیت کرنا معقول نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ ان حضرات کو تہجد کا بدل پڑھ کر سونے کی وصیت کی گئی تھی۔ واللہ اعلم

مسئلہ: اگر کوئی شخص عشا پڑھ کر متصلاً کچھ نفلیں پڑھ کر وتر پڑھے تو یہ نفلیں صلاۃ اللیل کے قائم مقام نہیں ہوں گی، تہجد کا بدل وہی نفلیں ہیں جو سونے سے پہلے پہلے پڑھی گئی ہوں اور تہجد کے بدل کے طور پر پڑھی گئی ہوں دوسری حدیث: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تم میں سے جسے اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں بیدار نہیں ہو سکے گا تو چاہئے کہ وہ شروع رات میں وتر پڑھ لے اور تم میں سے جسے امید ہو کہ وہ آخر رات میں کھڑا ہو جائے گا تو اسے وتر مؤخر کرنے چاہئیں، کیونکہ رات کے آخری حصہ میں قرآن کریم کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ یعنی آخر رات میں تہجد یا وتر پڑھنا افضل ہے۔

تشریح: اس حدیث میں وتر سے حقیقی وتر مراد ہیں اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو بیدار ہونے کی امید نہ ہو اسے سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے چاہئیں، اور جس شخص کو بیدار ہونے کی امید ہو اس کو تہجد کے ساتھ وتر پڑھنے چاہئیں کیونکہ رات کے آخری حصہ میں نماز پڑھنا بہتر ہے، اس وقت کی قراءت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور نیک بندوں کی عبادت میں شرکت سے نورانیت پیدا ہوتی ہے اور قبولیت کی امید بندھتی ہے، "غرض یہ حدیث باب سے متعلق ہے اور پہلی حدیث "میرے ناقص

خیال میں باب سے متعلق نہیں،،۔واللہ اعلم

فرشتے پر رکھ دیتے ہیں،یعنی پرواز بند کر دیتے ہیں

(۵) تحفۃ الالمعی ج٦ ص ۴۵۸ پر ہے:

وان الملائکۃ لتضع اجنحتھا رضا لطالب العلم

اور فرشتے یقیناً اپنے پر رکھ دیتے ہیں طالب علم کی خوشنودی کے لئے۔

تشریح:اس حدیث کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ فرشتے طالب علم کے پیروں کے نیچے پر بچھاتے ہیں،”مگر میرے نزدیک اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ فرشتے پر رکھ دیتے ہیں،یعنی پرواز بند کر دیتے ہیں،جیسے کوئی عالم آرہا ہو تو طالب علم باادب کھڑا ہو جاتا ہے،اسی طرح آسمان وزمین کے درمیان جو فرشتے آجارہے ہیں،جب وہ کسی طالب علم کو دیکھتے ہیں تو اس کی تعظیم کے لئے رک جاتے ہیں اور پرواز بند کر دیتے ہیں پھر جب وہ طالب علم گذر جاتا ہے تو وہ اپنی راہ لیتے ہیں۔

میری رائے

(٦) تحفۃ الالمعی ج۳ ص۵۵۹ پر ہے:

فرمایا کہ:ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں یا دو بہنیں ہوں تو اس کو اختیار ہے،وہ اپنی پسندیدہ چار بیویوں کو روک لے اور باقی کو علحدہ کر دے۔

اور امام اعظم رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو چار پہلے نکاح میں آئی ہیں اور جس بہن سے پہلے نکاح ہوا ہے وہ نکاح میں رہیں گی باقی خود بخود نکاح سے علحدہ ہو جائیں گی،یعنی شیخین رحمہا اللہ تخییر کے قائل نہیں،”میری رائے اس مسئلہ میں یہ ہے

کہ اگر یہ واقعہ مسلمان کا ہے یعنی کسی بد دین مسلمان نے دو بہنوں سے نکاح کیا یا چار سے زیادہ بیویاں کیں تو اس کے لئے تخییر کا حکم نہیں ہے بلکہ پہلے جن سے نکاح ہوا ہے ان کا نکاح صحیح ہیں اور بعد کے نکاح باطل ہیں اور اگر یہ واقعہ کسی نومسلم کا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ جن کو چاہے رکھے اور باقی کو علحدہ کردے، اور وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان کے بعد والے نکاح ہوئے ہی نہیں اور غیر مسلم کے اس کے مذہب کے مطابق سب نکاح درست ہیں، پس اس کو اختیار ہوگا کہ جن کو چاہے رکھے، واللہ اعلم بالصواب۔

اگر نئی (بیوی) کے پاس صرف سات دن یا تین..........

(۷) تحفۃ الالمعی ج ۳ ص ۵۷۴ پر ہے:

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کنواری سے نکاح کرے جبکہ اس کے نکاح میں پہلے سے کوئی عورت ہو تو وہ نئی دلہن کے پاس سات دن ٹھہرے اور جب بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تین دن یا سات دن نئی دلہن کا مخصوص حق ہیں، اور ائمۂ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے، اور حنفیہ کی دلیل حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے نکاح ہوا تو وہ بیوہ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تین دن ٹھہرے پھر فرمایا "لیس بك علی اهلك هوان، تم اپنے شوہر کو کچھ ناپسند نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات دن ٹھہروں، "فان سبعت لك سبعت لنسائی" یعنی اگر میں آپ کے پاس سات دن ٹھہرا تو دوسری بیویوں کے پاس بھی سات دن ٹھہروں گا (ابو داؤد ۱:۲۸۹ باب فی

المقام عند الکبریٰ اس سے معلوم ہوا کہ وہ تین دن حضرت ام سلمہؓ کا مخصوص حق نہیں تھا اگر مخصوص حق ہوتا تو آپ "ربعت لنسائی" فرماتے، یعنی تمہارے پاس سات دن ٹھہرنے کی صورت میں دیگر ازواج کے پاس چار دن ٹھہروں گا۔

"اور میری ناقص رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر نئی کے پاس صرف سات دن یا تین دن ٹھہرے تو یہ اس کا مخصوص حق ہے، اور اگر زائد ٹھہرے تو پھر تمام ایام پرانی کو مجرا دینے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔



پسند آئے تو لو ورنہ دیوار پر مار دو



حضرت رحمہ اللہ اپنی ذاتی رائے پیش فرما کر فرماتے کہ "یہ میری ذاتی رائے ہے پسند آئے تو لو ورنہ دیوار پر مار دو،، اللہ اکبر، یہ بات آپ کی تواضع اور انکساری کی غماز ہے۔ واقعی انکساری ہی آدمی کو بڑا بناتی ہے ؎

اک سجدہ سے کیا نہیں ہوتا
اک سجدہ ادا نہیں ہوتا
انکساری آدمی کو بڑا بناتی ہے
قد سے کوئی بڑا نہیں ہوتا

اور میر انیس کہتے ہیں ؎

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی
جو ظرف کے خالی ہو صدا دیتا ہے



محبوب شخصیت

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی محبوب شخصیات میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی ذات گرامی بھی تھی (شاید اسی مناسبت سے حضرت رحمہ اللہ نے اپنے ایک صاحبزادے کا نام "قاسم"، تجویز فرمایا تھا)

ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کی محبوب شخصیت جس سے آپ بے حد متاثر ہوئے ہوں، جن کی ذات سے آپ نے گہرا اثر لیا ہو وہ کون ہیں؟

جواب میں فرمایا کہ زمانہ کے اعتبار سے قریب ترین شخصیت جس کا میرے ذہنی نشو ونما میں خاص دخل ہے وہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات ہے، فکر ونظر کی گیرائی و گہرائی میں آج بھی اپنے آپ کو دبستان قاسمی کا ایک ادنی خوشہ چیں سمجھتا ہوں۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو جو علوم موہوب ہوئے اس میں............

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کو جو علوم موہوب ہوئے اس کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں اہتمام اور فکر اور ہر وقت اس میں ڈوبا رہنا ہے، خود فرماتے تھے کہ جب میں حدیث پڑھتا تھا تو کوئی تو لغات دیکھتا ترکیب صرفی ونحوی دیکھتا کوئی سند ہی دیکھتا، مگر میں زیادہ تر اس پر غور کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا منشاء کیا ہے اور اس سے ناشی کیا ہے، اس غور وفکر کی یہ برکت ہوئی کہ اللہ تعالی نے علوم خاصہ موہوب فرمائے۔

(الافاضات الیومیہ جلد دہم ص ۷۰)

میں زیادہ شروحات نہیں دیکھتا

حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد جب بخاری شریف کا درس بھی آپ کے ذمہ کردیا گیا اس کے بعد کی یہ بات ہے، حضرت رحمہ اللہ ہماری مسجد کے مہمان خانے میں تشریف فرما تھے، احقر نے حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت! ہمارے علاقہ سے قریب میں ایک کتاب گھر ہے، اس میں حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب رحمہ اللہ کے درس بخاری کے افادات جو بنام ”کشف الباری،، چھپے ہے وہ دستیاب ہے، وہ میں آپ کو ہدیہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر حضرت کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کہ میں زیادہ شروحات نہیں دیکھتا جو سبق مجھے پڑھانا ہوتا ہے اسی میں خوب غور وفکر کرتا ہوں، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالی علوم القاء کر دیتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کا انداز حل کتاب میں بالکل حضرت نانوتوی رحمہ اللہ جیسا تھا۔

اتنا میں اپنے اساتذہ سے بھی متاثر نہیں ہوں

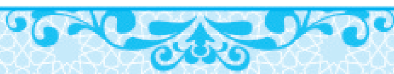
حل کتاب کے اس انداز ہی کی وجہ سے حضرت مولانا منظور مینگل صاحب دامت برکاتہم جو پاکستان کے بڑے علماء میں ہیں ان کا اپنا قائم کردہ ایک دار العلوم ہے کراچی میں جس میں موصوف شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں مفتی (مراد حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ) صاحب سے جتنا متاثر ہوں اتنا اپنے اساتذہ سے بھی متاثر نہیں ہوں، ہمارے اکابرین کا جو طریقہ ہے حدیث پڑھانے کا وہ نقل ہے ایک دوسرے سے نقل، نقل چلا آرہا ہے، یہ دو آدمی مولانا یونس جونپوری رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور) اور حضرت اقدس

مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ ان دونوں کا انداز مقلدانہ نہیں ہے، ناقلانہ نہیں ہے، یہ خود ایک مجتہد ہے، طلباء سے میں کہتا ہوں فراغت کے بعد مفتی صاحب کا انداز سیکھ لو، ان کا انداز مناظرانہ نہیں ہے، مجادلانہ نہیں ہے، ان کا انداز ادیبانہ، فقیہانہ، محدثانہ ہے۔









میری تو ہر چیز میں سہولت پر نظر ہے

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہُ اللہ کا ملفوظ ہے کہ میری تو ہر چیز میں سہولت پر نظر ہے، کسی بات میں کسی کو گرانی نہ ہو، اسی لئے میں نے خطبے (مراد جمعہ وعیدین کے عربی خطبے جو بنام 'خطبات الاحکام لجمعات العام،، چھپے ہوئے ہیں) چھوٹے چھوٹے لکھ دیئے ہیں۔ (الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۵۵۲)

ایک اور مقام پر ہے کہ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے تو خطبے نہایت ہی مختصر تحریر فرمائے ہیں جس سے لوگوں پر ذرہ برابر گرانی نہیں ہوتی۔

فرمایا جی ہاں! کوئی خطبہ سورۂ مرسلات سے زیادہ نہیں، ان میں بحمد اللہ ہر باب کے احکام موجود ہیں، نہایت جامع اور مختصر ہیں، اس خطبے کے متعلق مجھ کو خیال تھا کہ غیر مقلدین زیادہ پسند کریں گے اس لئے کہ ان میں تمام تر آیات واحادیث ہیں، مگر معلوم ہوا کہ محض اس لئے خفا ہیں کہ اردو میں خطبہ پڑھنے کی اس میں ممانعت ہے، اس لئے نہیں خریدتے اور نہ پڑھتے ہیں، غیر مقلد بھی عجیب چیز ہیں بجز دو چار چیزوں کے کسی حدیث کے بھی عامل نہیں مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر، بھلا اردو میں خطبہ پڑھنا کبھی سلف میں اس کا معمول رہا ہے، کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے، صحابہ نے پڑھا ہے، کسی کا تو معمول دکھائیں، تو کیا ایسی حالت میں یہ اردو میں خطبہ بدعت نہ ہوگا، کچھ نہیں غیر مقلدی نام اسی کا ہے کہ جو اپنے جی میں آئے وہ کریں۔

(الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۴۰۵)

نماز تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہُ اللہ پڑھاتے تھے.......

نیز فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہُ اللہ (فرض نماز میں امامت

کراتے وقت) بہت ہی چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے"والسماء ذات البروج والتین" حضرت قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے تھے اور بالکل سادہ پڑھتے تھے، باوجود اس کے کہ حضرت کے دانت نہ رہے تھے مگر حروف اصلی صفات کے ساتھ صحیح مخارج سے ادا ہوتے تھے اور نہایت خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

(الافاضات الیومیہ حصہ ہفتم ص ۲۵۵)

نیز ایک اور موقع پر فرمایا کہ نماز تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ پڑھاتے تھے ایسی ہلکی پھلکی کہ ذرہ برابر مقتدیوں کو گرانی نہ ہو، حضرت تو صبح کی نماز میں "اذاالشمس کورت، اذاالسماء انفطرت، سورۂ بروج" پڑھا کرتے تھے، ضرورت ہے اس کی کہ لوگوں کی راحت کا خیال رکھا جائے۔ (حوالا بالا حصہ اول ص ۴۰۵)

تسہیل

دینی معاملات میں ہمارے اکابر سہولت و تسہیل کو پسند فرماتے تھے، اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بھی "تسہیل،، دینی علوم کی تسہیل کا زبردست ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ کو مشکل سمجھے جانے والی علمی موشگافیوں، علمی گتھیوں کو چٹکی میں حل کرنے کا ہنر آتا تھا۔

آپ نے بعض درسی کتابوں کی "تسہیل،، کی ہے اور ان کا نام بھی ایسا تجویز فرمایا کہ طالب علم جب کتاب کا نام پڑھتا یا سنتا ہے تو وہ نام ہی اپیل کرتا ہے کہ اس کتاب کو پڑھنا چاہیے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ سب سے پہلے کتاب کا نام دیکھو اگر اس کا نام موضوع کے مناسب ہو تو کتاب دیکھو، معلوم ہوا کہ کتاب کا نام بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے، آپ نے جن درسی کتابوں کی تسہیل

کی ہے ان میں فن منطق میں " آسان منطق ،فن صرف میں " آسان صرف ،، فن نحو میں " آسان نحو ،، ہے، یہ کتابیں تسہیل ہی کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند سمیت کئی دیگر دینی جامعات میں داخل نصاب ہیں۔

کرنے کا کام

کسی بھی دینی شعبہ سے منسلک خدام دین کو دور حاضر میں یہ چیز بھی سیکھنے کی ضرورت ہے کہ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے "تسہیل اور سہولت ،، کا انداز اختیار کیا جائے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور.......

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ آپ تاریخ کی شخصیتوں میں سے جس کا نام بھی لیں، جب آپ اس کی سیرت کا مطالعہ کریں گے، اس کی زندگی کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت، اس کی فکر و لگن، مقصد کی دھن اور تڑپ تھی۔

نیز فرمایا کہ: میں کہتا ہوں کہ تم خدا اور نبی نہیں بن سکتے باقی سب کچھ بن سکتے ہو مگر اس کے لئے دو باتیں لازمی ہیں، اخلاص اور اختصاص یہ دو چیزیں اچھا سے اچھا بنانے کے لئے کافی ہیں۔

مصروفیت بڑی سلامتی کی چیز ہے

فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ

(حالی)

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ مصروفیت بڑی سلامتی کی چیز ہے، یہ اللہ تعالی کی رحمت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی نہ کسی دینی کام میں مشغول رکھیں۔

ملنے جلنے میں ہزارہا مفاسد ہیں

نیز فرمایا کہ: ملنے جلنے میں ہزارہا مفاسد ہیں، اختلاط سے سینکڑوں خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، بس اپنے اپنے کام میں مشغول رہنا چاہئے۔

ہم حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو مجلس بازی سے ہمیشہ دور رکھا تھا، آپ ہمیشہ کسی نہ کسی علمی کام میں مشغول رہتے تھے، اللہ تعالی نے آپ کو اخلاص اور اختصاص کی نعمت سے بھی مالا مال فرمایا تھا، یہی وہ اوصاف ہیں جو آپ کی علمی دنیا میں ترقی اور کامیابی کا ظاہری سبب بنے ہیں۔

کامیابی کا راز

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ۔

بقدر الكد تكسب المعالى
من طلب العلى سهر الليالى
ومن رام العلا من غير كد
اضاع العمر فى طلب المحال
تروم العز ثم تنام ليلا
يغوص البحر من طلب الآلى

ترجمہ: محنت کے بقدر ہی درجات میں ترقی ہوتی ہے سر بلندی کے طالب پر شب بیداری لازم ہے اور جس نے بلا محنت بلند مقام حاصل کرنا چاہا اس نے امر محال کے حصول میں عمر ضائع کردی، تو رات بھر سو کر عزت حاصل کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ موتی کا طالب تو سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے علمی ترقی کے لئے اپنے آپ کو خوب تھکایا، علمی ترقی اس

میں رسوخ اور علمی گہرائی و گیرائی تک رسائی کے لئے جان توڑ محنت کی، واقعہ بھی یہی ہے کہ کسی بھی چیز کے حصول کے لئے محنت اولین شرط ہے، بقول شخصے ؎

بغیر اس کے ہرگز کسی نے نہ پائی
فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی
وہی لوگ پاتے ہیں عزت زیادہ
جو کرتے ہیں دنیا میں محنت زیادہ
نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا



یہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ایک وعظ ہے جو آپ نے دار العلوم اشرفیہ راندیر کے ۲۰۰۸ء کے سالانہ جلسے میں کیا تھا، اس وعظ میں حضرتؒ نے علمی ترقی کے لئے علماء کرام کو کیا اسباب اختیار کرنے چاہئے اس پر روشنی ڈالی تھی، یہ باتیں علمی ترقی کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوگی۔

بعد از خطبہ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥

پڑھنے کے دو مرحلے ہیں:

ان پانچ آیتوں میں دو مرتبہ "اقرأ،، آیا ہے، یہ دو "اقرأ،، کیوں آئے ہیں؟ پڑھنے کے دو مرحلے ہیں، ایک جاہل کا پڑھنا ہے اور ایک عالم کا پڑھنا ہے، اردو میں کہیں گے ایک "کُندۂ ناتراش کا پڑھنا،، کندہ کہتے ہیں لکڑی کو اور ناتراش کا معنی ہے چھیلا نہ گیا ہو یعنی ایسی لکڑی جسے چھیلا نہ گیا ہو، اور ایک گھڑے گھڑائے، بنے بنائے، پڑھے پڑھائے کا پڑھنا ہے، جاہل کا پڑھنا اس کے لئے لفظ آیا ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ہمارے یہ فضلاء "اقرأ،، کے اس پہلے مرحلے سے فارغ ہوگئے۔

اب دوسرا مرحلہ ہے اس کا انداز دیکھو اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ سے، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، کا موازنہ کرو تو فرق واضح ہوجائے گا، کریم اور اکرم یہ لفظ بہت معنی رکھتا ہے، تیرا رب بڑا سخی ہے بڑا عظیم المرتبت ہے، اب یہ جو دوسرا پڑھنا ہے، یہ اگر تو نے شروع کیا ہے تو تجھے اللہ تعالیٰ بڑا عظیم المرتبت بنادیں گے۔

یہ جو دوسرا مرحلہ ہے یہ کس سے پڑھنا ہے اساتذہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھنا

ہے؟نہیں،وہ تو پہلے مرحلے میں پورا ہوا۔

فرمایا الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ تو لوگوں نے جو اپنے قلم سے لکھ رکھا ہے اسے پڑھو،اور تیرے اندر صلاحیت پیدا ہو تو لکھ،تا کہ دوسرے تیرا لکھا ہوا پڑھے،اب استاذ کے سامنے نہیں بیٹھنا ہے الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ،اللہ تعالی "قلم،،سے علم دیتے ہیں،آج تک دوسروں نے قلم سے جو لکھا ہے اسے پڑھ،اور اگر اللہ تیرے اندر صلاحیت پیدا کردے تو تو بھی قلم پکڑ اور لکھ تا کہ تیرا لکھا ہوا دوسرے پڑھے،"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ تجھے اللہ وہ علم دیں گے جو تو مدرسہ کی زندگی میں نہیں پڑھا تھا،اور اگر آپ نے خود قلم پکڑ کے لکھنا شروع کردیا تو آپ کے علم کی کوئی حد ہی نہیں رہی،مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوری بڑے اچھے شاعر تھے،ان کا شعر ہے:

عیاں در دیدمے گنجد
نہاں در سینہ گنجد
مگر مرد آفاقی
در ہر دو عالم نمی گنجد

محسوسات کا سامنے ایک پہاڑ ہے وہ پہاڑ پورا آنکھ میں آجائے گا،آپ پہاڑ کو کھڑے رہ کر دیکھے تو سارا پہاڑ آپ کی آنکھ میں آجائے گا،اور بڑے بڑے معنویات انسان کے سینہ اور عقل میں آجائیں گے،مگر مرد آفاقی اس دنیا اور دوسری دنیا دونوں میں اس کی سمائی نہیں ہے۔

"ان ابراھیم کان امة واحدةہ پوری ایک انجمن تھے،وہ پوری ایک قوم تھے،حالانکہ وہ ایک فرد تھے،تو اگر تجھے قلم پکڑنا آگیا تو تجھے وہ وہ علوم اللہ تعالی عطا

فرمائیں گے کہ مرد آفاقی بن کے رہ جائے گا کہ علم کی کوئی نہایت نہیں ہے، یہ ان آیات کریمہ میں فرمایا گیا ہے۔



دو لفظوں نے ہمارا ستیاناس کیا ہے



یہ جو دوسرا "اقرأ،، ہے اس میں ہمارے فضلاء بہت سستی اور کوتاہی کرتے ہیں، میرے عزیزو! اب کڑوی باتیں شروع کرتا ہوں، دو لفظوں نے ہمارا ستیاناس کیا ہے۔

(۱) میں فارغ ہوگیا، ارے فارغ تو بیت الخلاء سے ہوتے ہیں، تو کیا تیرا مدرسہ تیرا بیت الخلاء ہے۔

(۲) فاضل دار العلوم دیوبند، یعنی اب آگے کچھ رہا ہی نہیں، حالانکہ فاضل کے معنی کچرے کے بھی ہوتے ہیں، اگر اس کو فضیلت سے مانو تو فاضل کے معنی کچھ اور ہے، اور اگر آپ فضول سے مانو تو فاضل کے معنی کچرے کے ہیں، مدرسہ سے دورہ پڑھ کر نکلنے والے کہتے ہیں کہ میں فارغ ہوگیا اور پھر ایک لفظ پڑھتے نہیں، اور تصور یہ ہے کہ میں تو فاضل ہوں، فاضل دار العلوم اشرفیہ، ان دو لفظوں نے ہماری راہ ماردی ہے۔



آدمی بڑا بنتا ہی ہے دوسرے 'اقرأ' سے



اور ان آیتوں میں جو دوسرا "اقرأ،، آیا ہے وہ ختم ہوگیا، حالانکہ آدمی بڑا بنتا ہے وہ دوسرے "اقرأ،، سے، اگر تم عربی سمجھتے ہو تو "وربك الاکرم کا زور سمجھو، تو سمجھو کہ بڑا آدمی بنتا ہی اس سے ہے، آج کی جو نصیحت کرنی ہے وہ یہی کہ مدارس عربیہ میں علم نہیں دیا جاتا، کانوں کا میل نکال کر سن لو، مدارس عربیہ میں علم نہیں دیا جاتا، علم حاصل کرنے کی استعداد بنائی جاتی ہے، اب طلباء سمجھتے ہیں کہ ہم پڑھ چکے اور آپ

جانتے ہیں جلالین ڈھنگ سے پانچ پارے پڑھائی جاتی ہے، پھر رواں آگے، کیوں؟ پانچ پارے پڑھا دیئے تو آگے ان میں سمجھنے کی استعداد پیدا ہوگئی، ہدایہ اخیرین کتنی پڑھتے ہو، سو صفحے اتنے صفحے پڑھا دیئے تو آگے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوگئی، جب استعداد پیدا ہوگئی تو اب آگے پوری کتاب حل کرے گا۔

میرے استاذ حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے مجھے حجۃ اللہ کے سات باب سال بھر میں پڑھائے ہیں، شروع کے سات باب ہم نے حضرت رحمہ اللہ سے پڑھے ہیں، ہم نے محنت کی پوری کتاب حل کرلی، تو کیا استاذ آخری حرف تک پڑھائے گا، یہ تو بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، فضلاء کو اس طرح سے نہیں پڑھایا جاتا، لہذا میرے عزیزو! یہ سمجھ لو کہ آپ نے جو پڑھا ہے یہ پڑھنا اگر یہیں پر ختم کردیا اور آپ فارغ ہوگئے اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ آپ فاضل ہیں، تو آپ کی علمی ترقی رک گئی۔

الفاظ کا بڑا اثر ہوتا ہے

الفاظ کا بڑا اثر پڑتا ہے، کسی کو بیمار کرنا ہے پانچ آدمی ایکا کرلو، صبح جب یہ ملے تو کہو کیا بات ہے، ہاتھ گرم ہے، تو وہ کہے گا نہیں، نہیں، پھر دوسرا ملے اور کہے آپ کے کچھ ہاتھ گرم معلوم ہورہے ہیں، وہ کہے گا نہیں، نہیں، تیسرا ملے وہ کہے گا السلام علیکم آپ کا ہاتھ کچھ گرم ہے، وہ کہے گا اچھا، اب کچھ ڈھیلا پڑ جائے گا، پھر چوتھا ملے وہ کہے کیا بات ہے ہاتھ کچھ گرم ہے، وہ کہے گا آج طبیعت کچھ ڈھیلی ہے، پھر پانچواں ملا السلام علیکم کہ ہاتھ گرم معلوم ہورہے ہیں تو وہ کہے گا جی ہاں آج ذرا کچھ بخار ہے اور فوراً ڈاکٹر کے یہاں پہنچے گا۔

بہر حال، الفاظ کا بڑا اثر ہے، اسی لئے شریعت میں بچے کا اچھا نام رکھنے کی ترغیب ہے، تو الفاظ کا بڑا اثر پڑتا ہے، لہذا میرے عزیزو! فارغ کا لفظ ذہن سے نکالو، فاضل کا تصور ذہن سے نکالو، ذہن میں یہ تصور لاؤ کے "اقرأ،، کہ ایک مرحلے سے ہم فارغ ہوئے ہیں اب "اقرأ،، کا ہمارا دوسرا مرحلہ جو اصل اور اہم مرحلہ ہے جو ہمیں "ہیرا،، بنائے گا وہ کل سے شروع کردینا ہے۔



طلباء کی تین قسمیں ہیں



آپ میں تین قسم کے طلباء ہیں، ایک تو وہ ہیں جن کی عربی استعداد اتنی ہے کہ کل آئندہ سے "اقرأ،، کا دوسرا مرحلہ شروع ہوگا تو وہ عربی کتابوں سے شروع کریں گے، دوسرے طلباء وہ ہیں جن کی اتنی استعداد نہیں ہے پانچوں انگلیاں ہاتھ کی برابر نہیں ہوتی ہے تو مدرسہ سے نکلنے والے سب طلباء برابر ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے، دوسرے درجہ کی استعداد ہے وہ عربی کتابیں نہیں سمجھ سکتے تو اردو کتابیں پڑھو، اردو میں بے شمار علم ہے، آسان سے آسان بھی مشکل سے مشکل بھی، بے شمار کتابیں ہیں پڑھو، اور عربی کا مطالعہ نہیں کرسکتے اردو کا کرسکتے ہو تو پھر اس کی دو Category ہیں ایک وہ ہے جو اردو کا مطالعہ کرسکتے ہیں مگر اردو کی ایسی استعداد ہے کہ بیان القرآن بھی سمجھ سکتے ہیں، اور دوسرا وہ ہے جو بیان القرآن نہیں سمجھ سکتا ہے، تو معارف القرآن پڑھے، اسی طرح بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام شروع کرے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو وہ کرسکتا ہے کرے اور پڑھے، اور ساتھ میں عربی کتاب کا بھی مطالعہ رکھے تا کہ ایک دن یہاں سے کود کر یہاں چلے جائے، اور اگر آپ تیسرے مرحلے میں ہے لہذا "ایاز قدر خودرا بشناس،، ہر ایک سوچے میں کس مرحلے میں ہوں، کتنے پانی میں ہوں، ٹخنوں تک پانی

میں ہوں، گھٹنوں تک پانی میں ہوں، کمر تک پانی میں ہوں، اور اگر آپ تیسرے مرحلے میں ہے تو آپ اردو میں وہ کتابیں پڑھے جو آپ کے قابو میں ہے۔

یومیہ مطالعہ

اور یہ طے کرو کہ مجھے روزانہ اتنے صفحے پڑھنے ہیں، میں جب یہاں اشرفیہ میں مدرس تھا، میں اشرفیہ میں نو سال مدرس رہا ہوں ان نو سال میں سے آٹھ سال میرے ایسے گذرے ہیں کہ میرا یومیہ مطالعہ جو کتابیں پڑھاتا تھا ان کے شروح اور متعلقات کے علاوہ یومیہ مطالعہ عربی کتابوں کا پانچ سو صفحے تھا، ساتھ میں لکھتا بھی تھا، کتاب تصنیف بھی کرتا تھا، اور نوٹس بھی اکٹھا کرتا تھا، کسی کو اشکال ہو کہ پانچ سو صفحے کیسے پڑھتا تھا، تو اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو سمجھ میں آرہا ہے اس کو آہستہ غور سے پڑھئے، جو کام کی بات ہے اسے نوٹ کیجئے،، اور جو سمجھ میں نہیں آرہا ہے تو سمجھئے کہ یہ میرے کام کا نہیں، آگے بڑھئے، یہ پڑھنے کا طریقہ ہے۔

تو میرے خلاف کورٹ میں مقدمہ دائر کر دینا

ایک لمبا عرصہ یہ جو دوسرا ریڈ ہے دوسرا اقرأ ہے، اس دوسرے اقرأ کے لئے اتنا لمبا عرصہ چاہئے، اتنا ہی لمبا عرصہ تو آپ نے پہلے اقرأ میں لگایا ہے، پہلے اقرأ میں آپ نے پندرہ سال لگائے، تو دوسرے اقرأ میں بھی پندرہ سال پڑھنا ہے، اور جب آپ پندرہ سال پڑھیں گے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ چوبیں گھنٹے پڑھتے ہی رہے، نہیں، یہ ضروری نہیں، ایک مقدار متعین کرو، اس میں حدیث، تفسیر، فقہ روزانہ پڑھنی ہے۔

پندرہ سال کے بعد اگر تمہیں علم نہ آئے تو میرے خلاف کورٹ میں مقدمہ

دائر کر دیجیو کہ آپ نے کہا تھا کہ پندرہ سال کے بعد علم آئے گا ابھی تک تو ہمیں کچھ نہیں آرہا، مقدمہ آپ کر سکتے ہیں، میں گارنٹی دیتا ہوں، پندرہ سال تک پڑھو پھر دیکھو علم آنا شروع ہوجائے گا۔

لہذا آج کی مجلس میں صرف یہ کہنا ہے کہ آپ یہ دماغ سے نکال دے کہ ہم فارغ ہوگئے، یہ خیال سے نکال دے کہ ہم کو سب کچھ آگیا، اللہ تعالی نے پہلی وحی میں دو اقرأ فرمائے ہیں، ایک اقرأ سے آپ نمٹ گئے اور دوسرے اقرأ کا مرحلہ اب آپ کا شروع ہے، اور اگر اس دوسرے اقرأ کا حق ادا کیا تم نے دوسروں کا لکھا آپ پڑھے اور اس قابل ہوجائے کہ خود لکھے تو پکڑے قلم اور آگے بڑھے، آج جن شخصیات کے ہم گن گاتے ہیں، جن بزرگوں کے ہم نام لیتے ہیں ان کی طرح آپ بھی لکھے۔



سورج کو چراغ دکھانے سے کیا فائدہ



بس آپ کے لئے اتنا کافی ہے، سورج کو چراغ دکھانے سے کیا فائدہ، بدہیات پر دلیل نہیں قائم کی جاتی، بدیہیات پر تنبیہ کی جاتی ہے، ایک آدمی کہے کہ سورج نکل رہا ہے اس کی کیا دلیل ہے، اس کی کیا دلیل پیش کریں گے ہاتھ پکڑ کر مسجد کے صحن میں لے جایئے، اور سر پہ ایک چپت رسید کر کے کہئے کہ لے دیکھ، یہی دلیل ہو سکتی ہے اور کیا دلیل ہوسکتی ہے، تو تنبیہ کی ضرورت تھی جو میں نے عرض کر دی، آگے دلائل قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔



ترمذی شریف کی تکمیل کے موقع پر حضرت رحمۃ اللہ طلباء کو جو الوداعی نصیحت فرماتے تھے وہ پیشِ خدمت ہے۔

اولاد تین قسم کی ہوتی ہے

فرمایا کہ عزیزو! اولاد تین قسم کی ہوتی ہے:

۱ پوت ۲ سپوت ۳ کپوت

جو اولاد صرف اولاد ہو یعنی نہ تو باپ کا نام روشن کرے، نہ بدنام کرے وہ پوت ہے، اور جو اولاد باپ کا نام روشن کرے وہ سپوت ہے، اور جو باپ کو بدنام کرے وہ کپوت ہے۔

آپ کو کس نے پڑھایا ہے؟

اب آپ حضرات کی ایک زندگی ختم ہوکر دوسری زندگی شروع ہوگی، اب آپ اس پر غور کریں کہ آپ کو کس نے پڑھایا ہے؟ اگر آپ سوچتے ہیں کہ آپ کے ماں باپ نے پڑھایا ہے تو یہ غلط ہے، اگر یہ مدرسے اور یہ اساتذہ نہ ہوتے تو ماں باپ کہاں پڑھاتے؟ اور اگر آپ سوچتے ہیں کہ اساتذہ نے پڑھایا ہے تو یہ بھی غلط ہے، اگر یہ مدرسے نہ ہوتے تو اساتذہ کیسے پڑھاتے؟ اور اگر آپ سوچتے ہیں کہ ان مدارس اسلامیہ نے پڑھایا ہے تو یہ بھی تمام تر صحیح نہیں، اگر ملت اسلامیہ دست تعاون نہ بڑھاتی تو یہ مدارس کہاں ہوتے؟ پس در حقیقت آپ کو ملت اسلامیہ نے پڑھایا ہے، اس لئے میرے عزیزو! خوب سمجھ لو، تمہیں ملت اسلامیہ نے پڑھایا ہے۔

ملت کو فائدہ پہنچانے کی بہت سی صورتیں ہیں

اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ ملت اسلامیہ کے حق میں پوت بنتے ہیں یا کپوت یا

سپوت، اس کا فیصلہ آپ کا عمل کرے گا، اگر آپ نے اپنا دین محفوظ رکھا اور ملت اسلامیہ کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا تو آپ پوت ہوئے، اور اگر آپ نے اپنا دین محفوظ رکھا اور ملت کو بھی فائدہ پہنچایا تو آپ سپوت ہوئے، اور ملت کو فائدہ پہنچانے کی بہت سی صورتیں ہیں اللہ آپ کے لئے جو بھی راہ منتخب کریں وہ اختیار کریں، تبلیغ میں نکلیں، کتابیں تصنیف کریں، مکتبوں اور مدرسوں میں پڑھائیں، مسجدوں میں امامت کریں، غرض بے شمار راہیں ملت کی خدمت کی ہیں، اور اگر نہ ملت کو کوئی فائدہ پہنچایا نہ اپنا دین محفوظ رکھا بلکہ کسی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا، یا کاروبار میں لگ گئے اور دین کا بھی ٹھکانہ نہ رہا، نہ ڈاڑھیاں صحیح رہیں نہ نمازوں کا ٹھکانہ رہا اور اعمال واخلاق اور کردار وگفتار بگڑ گئے تو تم کپوت ہوئے، کاروبار کرنا ہے شوق سے کرو، یونیورسٹی میں پڑھنا ہے شوق سے پڑھو، جو بھی کام کرنا ہے کرو، مگر دس پندرہ سال تک جو دین تم نے پڑھا ہے اس کو تج نہ دو، دین کا دامن پکڑے رہو، اگر دین تمہاری زندگی سے نکل گیا تو تم سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں، جس نے کھایا ملت کا اور نہ ان کو فائدہ پہنچایا نہ اپنا دین محفوظ رکھا وہ "خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوا، اللہ تعالی اس سے ہماری حفاظت فرمائیں۔ (آمین)

اب آپ دوراہے پر کھڑے ہیں

عزیزو! اب آپ دوراہے پر کھڑے ہیں، آپ کی زندگی کا ورق پلٹ رہا ہے اب آپ کو آئندہ کیا کرنا ہے اس کے لئے خاص طور پر دعا کرنی ہے، اللہ تعالی آپ حضرات کو دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں اور آپ کی زندگیوں میں دین باقی رکھیں، آپ کی مساعی جمیلہ سے اللہ تعالی دین کو بڑھائیں اور آپ سے اللہ تعالی امت

مسلمہ کو فیض پہنچائیں، یہ دعا کریں، اگر آپ سچے دل سے اللہ سے مانگیں گے تو اللہ کے یہاں فضل کی کمی نہیں، اور اگر بے نیازی برتیں گے تو اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں، اللہ اپنے دین کا کام کسی سے بھی لے لیں گے، آپ کو یاد ہوگا: صحابہ کو ڈانٹ پڑی تھی، پس ما وشما کی کیا حیثیت ہے، فرمایا "وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ؀" ہم سب اللہ کے محتاج ہیں، اللہ کسی کے محتاج نہیں، اس لئے سچے دل سے مانگو، نیازمندی سے مانگو، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالیں، اور اگر تمہارے دل ملتفت نہ ہوئے تو اللہ کسی کے محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ دین کا کام پرندوں سے لے لیں گے، نومسلموں سے لے لیں گے، کسی سے بھی لے لیں گے، وہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے محتاج نہیں، بلکہ یہ فضلاء اللہ اور اللہ کے دین کے محتاج ہیں، اللہ کے دین کی خدمت کے محتاج ہیں، پس دعا کرو! اللہ تمہیں صلاح و فلاح عطا فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ملت اسلامیہ کو چمکائیں اور تمہارے ذریعہ مادر علمی کا نام روشن فرمائیں، اور مدارس اسلامیہ پر خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں بہترین صلہ عطا فرمائیں، یہ ملت اسلامیہ کا احسان ہے کہ اس نے پیسہ پیسہ بچا کر مدارس کا تعاون کیا، جس سے آج دین کی بہار ہے، یہ مدرسے نہ ہوتے تو یہ بہار کہاں ہوتی؟

فضلاء کی تعداد تو بڑھ گئی مگر کام کے آدمی کم رہ گئے

اس زمانہ میں علم دین پڑھنے والوں کی اور علماء وفضلاء کی تعداد تو بہت بڑھ گئی ہے مگر کیفیت و استعداد میں کمی آگئی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟ اور اس کا علاج کیا ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے، ایک موٹا اندازہ یہ ہے کہ ہر سال صرف ہندوستان میں تین

ہزار علماء وفضلاء تیار ہوتے ہیں مگر قحط الرجال کا حال یہ ہے کہ ابتدائی عربی کے اساتذہ تو بہت مل جاتے ہیں مگر درجہ علیا کے اساتذہ کا فقدان ہے، اور یہ بات دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: دو لفظوں نے مدارس سے نکلنے والوں کو پیچھے کر دیا ہے، ایک "میں فارغ ہوگیا،، دوسرا" فاضل،، ظاہر ہے جب فارغ ہوگیا اور کرنے کا کچھ رہا نہیں وہ پھر باکمال کیسے بنے گا؟ آپ جانتے ہیں مدارس عربیہ میں علم نہیں دیا جاتا بلکہ علم دین حاصل کرنے کی استعداد بنائی جاتی ہے، پڑھنا تو آپ کو یہاں سے نکل کر ہے اور زندگی بھر پڑھنا ہے، ایک لمبے عرصہ کے بعد آپ کو کمال حاصل ہوگا مگر اب صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ مدارس سے نکلنے والوں میں فراغت کا تصور پیدا ہوجاتا ہے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ جو کچھ پڑھنا لکھنا تھا وہ ہوچکا، اب آگے کچھ باقی نہیں رہا، چنانچہ مدارس سے نکلنے کے بعد کوئی پڑھتا نہیں، الا ماشاء اللہ۔

علم پڑھنے سے آتا ہے، پڑھانے سے نہیں

اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علم پڑھنے سے آتا ہے پڑھانے سے نہیں آتا، اور طلبہ کے پڑھنے میں تین چیزیں شامل ہیں:

اول: مطالعہ کر کے سبق میں جانا، جو طالب علم اگلا سبق دیکھے بغیر درس گاہ میں جاتا ہے وہ پڑھنے نہیں جاتا پڑھانے جاتا ہے، یعنی اس کی وجہ سے استاذ کو پڑھنا پڑتا ہے اگر وہ درس گاہ میں نہ جائے تو استاذ بھی نہیں پڑھے گا، پڑھنے والا طالب علم وہی ہے جو آگے کا سبق دیکھ کر درس گاہ میں جائے، مطالعہ میں آگے کا سبق سمجھنا ضروری نہیں، سمجھ میں آئے یا نہ آئے کم از کم تین مرتبہ عبارت پڑھ کر استاذ کے پاس جائے۔

سبق سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں نیند حرام ہوجانی چاہئے

دوم: درس گاہ میں ذہنی طور پر حاضر رہ کر کتاب کا ایک ایک لفظ حل کرنے کی کوشش کرے، کوئی بات بے سمجھے نہ چھوڑے، آج کل طلبہ کی صورت حال یہ ہے کہ سبق سمجھ میں آئے تو کوئی خوشی نہیں، اور نہ سمجھ میں آئے تو کوئی رنج نہیں حالانکہ سبق سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں نیند حرام ہوجانی چاہئے۔

آج کل عام طور پر صورت حال یہ ہے کہ خود طالب علم......

اور اگر کسی طالب علم کو مطالعہ کرنے کے بعد اور پوری توجہ سے سبق سننے کے بعد بھی سبق سمجھ میں نہ آئے تو اس کو جاننا چاہئے کہ اس کی استعداد درجہ سے فروتر ہے، اس کو پیچھے پلٹنا چاہئے اور ایسے درجہ سے پڑھنا چاہئے جو اس کی استعداد کے موافق ہو، اگر وہ بدستور اپنے درجہ میں چلتا رہے گا تو آگے اور بھی دشواری پیش آئے گی اور اس کی سیر علمی کا کچھ حاصل نہیں نکلے گا، آج کل عام طور پر صورت حال یہ ہے کہ خود طالب علم بھی اوپر کودتا ہے اور مدرسہ والے بھی وہ جو درجہ چاہتا ہے دیدیتے ہیں، صحیح جانچ کرکے اس کی استعداد کے مطابق درجہ نہیں دیتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فارغ تو ہوجاتا ہے مگر آتا کچھ نہیں! اور مدرسہ کا سارا نظام مختل ہوجاتا ہے۔

پڑھا ہوا نقش برآب ہوتا ہے

سوم: خواندہ یاد کرنا: پڑھا ہوا نقش برآب ہوتا ہے، ایک دو دن میں طالب علم اس کو بھول جاتا ہے، پس جو طالب علم خواندہ یاد نہیں کرتا وہ ہاتھوں میں سوراخ کرکے پانی پیتا ہے، ظاہر ہے پانی کبھی اس کے منہ تک نہیں پہنچے گا، سوراخ سے بہہ جائے گا، آج کے طالب علم کا بھی یہی حال ہے وہ ہاتھوں میں سوراخ کرکے پانی پیتا ہے، خواندہ یاد

نہیں کرتا، اور جب پڑھا ہوا محفوظ نہیں رہا تو پڑھنے کا کیا حاصل!

فن دیکھ کر پڑھانا، صرف شرحیں دیکھ کر نہ پڑھانا

اسی طرح اساتذہ کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں شامل ہیں:

اول: فن دیکھ کر پڑھانا، صرف شرحیں دیکھ کر نہ پڑھانا، یعنی جو کتاب پڑھارہا ہے اور وہ جس فن میں ہے وہ پورا فن نیچے تک اور اوپر تک دیکھ لینا، جیسے قدوری پڑھارہا ہے تو بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام تک جو بھی کتابیں نیچے لکھی گئی ہیں ان کو دیکھ لینا، بعض مرتبہ مسئلہ کی تعبیر نیچے کی کتابوں میں بہت عمدہ ہاتھ آتی ہے، اوپر کی کتابوں میں وہ بدست نہیں آتی، نیز تفہیم کا طریقہ بھی ان اردو کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، اوراوپر در مختار، شامی، ہدایہ اور عالمگیری تک سب کتابوں میں متعلقہ مسئلہ دیکھ لینا، اس سے شرح صدر ہوتا ہے اور استعداد بڑھتی ہے۔

مگر مسلسل مطالعہ مفید نہیں یعنی تعلیم الاسلام پوری پڑھ لی یا در مختار پوری پڑھ لی یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ قدوری میں جو مسئلہ زیر درس ہے صرف وہی مسئلہ نیچے کی اور اوپر کی کتابوں میں دیکھا جائے، ایک ہی مسئلہ مختلف کتابوں میں دیکھنے سے یاد بھی ہوگا اور سمجھ میں بھی آئے گا۔

یادداشت تیار کرلی جائے

دوم: ہر کتاب سے ضروری باتیں یا عبارت کا حل نکال کر اپنی یادداشت تیار کرلی جائے، خواہ کتاب میں ورق رکھ کر یا علحدہ کاپی بنا کر جو بات بھی جہاں کام کی ملے اس کو بعینہ یا اس کا خلاصہ لکھ لیا جائے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ بار بار کتابیں نہیں دیکھنی پڑیں گی، خلاصہ اس کے پاس محفوظ ہوگا تو ہر سال اس پر نظر ڈال لے گا اور تمام مضامین یاد

ہوجائیں گے۔

یہاں یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ کسی بھی کتاب کی کوئی شرح کافی نہیں، اگر شروح سے کتاب حل ہوجاتی تو نئی نئی شرحوں کی ضرورت نہ ہوتی، حالانکہ کتابوں کی شرحیں مسلسل لکھی جارہی ہیں، معلوم ہوا کہ کچھ باتیں فن سے حل ہوتی ہیں شروح سے حل نہیں ہوتیں۔

سوم: استنتاج یعنی نتائج نکالنا، مدرس کے پڑھنے میں تیسری بات یہ شامل ہے کہ جو کچھ اس نے پڑھا ہے اوراس کا خلاصہ نوٹ کرلیا ہے اس میں خوب غور کرے، اس میں کوئی اشکال ہوتو اس کا جواب سوچے، کوئی بات دقیق ہوتو اس کا حل سوچے اور مختلف باتیں ملا کرنئی بات پیدا کرے اس سے استعداد بڑھتی ہے۔




حضرت علامہ کی قیمتی نصیحت

میں جب دارالعلوم دیوبند سے رخصت ہوکر دارالعلوم اشرفیہ راندیر کے لئے مدرس ہوکر چلا تو میں نے حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم بلیاوی قدس سرہ سے آخری ملاقات میں عرض کیا: حضرت! مجھے کوئی کام کی بات بتادیجئے جسے میں حرز جان بناؤں حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! فن دیکھ کر پڑھانا، شرحیں دیکھ کرمت پڑھاتا، علم آئے گا، اور طلبہ کو اپنی اولاد سمجھنا، وہ تم سے محبت کریں گے، اور سنت کی پیروی کرنا، لوگوں کے دلوں میں وقعت پیدا ہوگی، یہ تین باتیں میرے لئے کس قدر مفید ثابت ہوئیں یہ میں بیان نہیں کرسکتا۔




صرف پڑھانے سے آدمی تیار نہیں ہوتے

آج کا المیہ یہ ہے کہ اساتذہ پڑھاتے ہیں مگر آدمی تیار نہیں ہوتے، ایک

مثال میں غور کریں، ایک طالب علم متوسط استعداد کا عربی اول شروع کرتا ہے، وہ ساتویں یا آٹھویں سال بخاری شریف پڑھنے کے قابل ہوجاتا ہے، پھر وہ مدرس ہوجاتا ہے مگر بیس سال گذر جاتے ہیں وہ بخاری شریف پڑھانے کے قابل نہیں ہوتا، حالانکہ اس کو پانچ سال میں بخاری شریف پڑھانے کے قابل ہوجانا چاہئے، وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ پڑھاتا ہے پڑھتا نہیں، مشکوۃ پڑھاتا ہے تو بس اسی کو پڑھاتا ہے فن نہیں پڑھتا، بعض مدرس پوچھتے ہیں مجھے نسائی پڑھانے کے لئے ملی ہے یا ابن ماجہ ملی ہے، میں کونسی شرح دیکھوں؟ میں کہتا ہوں "فتح الباری اور عمدۃ القاری دیکھو،، وہ کہتا ہے بخاری میں نسائی اور ابن ماجہ کی حدیثیں تلاش کرنا پھر اس کی شرح دیکھنا دقت طلب ہے، یہ بات میرے بس کی نہیں، تو میں کہتا ہوں: پھر آپ نسائی اور ابن ماجہ کے لائق بھی نہیں، حدیث کی کوئی بھی کتاب پڑھانے کے لئے ملے اور وہ پورا فن نہ دیکھ ڈالے تو وہ پڑھا رہا ہے پڑھ نہیں رہا، اور سو سال بھی پڑھائے گا تو علم نہیں آئے گا، علم پڑھنے سے آتا ہے۔

آپ کی شیشی میں کچھ ہے؟

یہاں اساتذہ دو سوال کرتے ہیں:

پہلا سوال: اساتذہ کہتے ہیں مدارس والے ہمیں ترقی نہیں دیتے، وہ ہمیں بڑی کتابیں دیں تو ہم مطالعہ کریں، پانچ سال سے ہمیں مرقات میں لٹکا رکھا ہے ہم ملا حسن کا مطالعہ کیسے کریں؟ یا دس سال سے ہمیں قدوری دے رکھی ہے "کنز یا شرح وقایہ،، دیتے ہی نہیں، پھر ہم مطالعہ کیسے کریں؟

جواب: میں کہتا ہوں: آپ کی شیشی میں کچھ ہے؟ اگر عمدہ خوشبو ہے تو مہکاؤ، ہر آدمی

پوچھے گا: کس نے خوشبو لگائی ہے؟ بڑی اچھی خوشبو ہے! آج ارباب مدارس ذی استعداد اساتذہ کے لئے پریشان ہیں مگر کوئی اپنا عطر مہکائے تو دوسرا اسے پوچھے، غرض پہلے پڑھنا پڑتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں کا ثبوت دینا پڑتا ہے، تب مدرسہ والے ترقی دیتے ہیں، بے استعداد کو ترقی دینا اس امید پر کہ بعد میں صلاحیت پیدا ہوجائے گی نادانی کی بات ہے۔

تعلقات کی ہمواری ضروری ہے، چاپلوسی ضروری نہیں

البتہ استعداد کے ساتھ تعلقات کی ہمواری ضروری ہے، چاپلوسی ضروری نہیں، یعنی اس درجہ ارباب انتظام کے ساتھ موافقت ضروری ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے اور اپنے ادارہ کے لئے مفید سمجھیں، بس فوراً ترقی ملے گی، اور اگر آپ کے تعلقات ناہموار ہیں مدرسہ والوں سے آپ نے بگاڑ رکھی ہے اور مہتمم آپ کو اپنے لئے یا اپنے مدرسہ کے لئے مفید نہیں سمجھتا تو شاید وہ آپ کو ترقی نہ دے کیونکہ آپ کو آگے بڑھا کر وہ مصیبت کیوں مول لے۔

الدنیا بالوسائل، لا بالفضائل

مگر کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ چاپلوسی سے دال گلتی ہے "الدنیا بالوسائل لا بالفضائل"، میرا خیال ہے یہ بات صحیح نہیں، مدرس کو اپنے کام سے غرض ہونی چاہئے نظم وانتظام سے سروکار نہیں ہونا چاہئے، مدرسہ اس کا نہیں ہے، وہ جانے اور اس کا کام، اور اگر مدرس کو مہتمم بننے کا شوق ہے اور تعلیم کی اصلاح کا جذبہ ہے تو وہ ہٹ کر اپنی دوکان علحدہ کھولے، اللہ کا ملک تنگ نہیں، اور گدا کا پیر لنگ نہیں، دوسرے کے مدرسہ میں اتھل پتھل کرنا اور اپنی پوزیشن خراب کرنا دانشمندی کی بات نہیں۔

ہم سارے فنون کیسے دیکھیں؟

دوسرا سوال: اساتذہ کہتے ہیں مدرسہ والوں نے ہم پر ڈھیر سارے سبق لاد رکھے ہیں، پھر ہم سارے فنون کیسے دیکھیں؟

جواب: میں کہتا ہوں اگر آپ کے پاس پانچ فنون ہیں تو آپ ان میں سے چار کتابیں صرف شرحوں کی مدد سے پڑھائیں اور ایک کتاب فن دیکھنے کے لئے منتخب کریں، دو تین سال میں وہ پورا فن دیکھ لیں، پھر دوسرا فن پکڑیں، اس طرح تدریجی طور پر کئی فنون دیکھے جاسکتے ہیں لیکن اگر آپ چاہیں ہی نہ تو زندگی گذر جائے گی، اور آپ کسی ایک فن میں بھی باکمال نہیں بنیں گے۔

صدیوں میں کوئی باکمال پیدا ہوتا ہے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قحط الرجال کے اس زمانہ میں مدارس سے نکلنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ فارغ نہ ہو جائیں، یہ لفظ اپنے ذہن سے قطعاً نکال دیں، اسی طرح فاضل کا تصور ختم کر دیں طالب علم کا تصور رکھیں، فاضل تو فضول سے بھی ہوسکتا ہے تو کیا آپ کوڑا کرکٹ ہیں؟ رہا فاضل بمعنی علامۃ الدہر تو یہ بات کبریت احمر ہے، صدیوں میں کوئی باکمال پیدا ہوتا ہے، جب لاکھوں میدان میں سرگرداں رہتے ہیں تب کوئی منزل پر پہنچتا ہے، پس آپ بھی دیوانہ وار چلیں، ممکن ہے آپ ہی منزل پر پہنچیں۔

قحط الرجال کیوں ہے؟

چوتھی بات: تیسری بات ہی سے متعلق ہے مگر اس کی اہمیت کی وجہ سے اس کو علحدہ ذکر

کرتا ہوں، سوال یہ ہے کہ بے شمار مدارس عربیہ ہیں اور لوگ پڑھنے پڑھانے میں مشغول بھی ہیں پھر اعلی صلاحیتوں کے آدمی کیوں تیار نہیں ہوتے؟ قحط الرجال کیوں ہے؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہیں، ایک تو گذر چکی کہ لوگ پڑھاتے ہیں پڑھتے نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ مدارس سے نکلنے والے تین قسم کے فضلاء ہیں، اعلی استعداد والے، متوسط استعداد والے اور ادنی استعداد والے۔

فضلاء کی پہلی قسم تو ضائع ہوجاتی ہے، یونیورسٹیوں میں چلی جاتی ہے، کمپیوٹر اور ہنر سیکھنے میں لگ جاتی ہے، یا کاروبار میں مشغول ہوجاتی ہے۔

اور دوسری قسم مدارس عربیہ میں لگتی ہے، چونکہ ان کا مستوی فروتر ہے اس لئے وہ ہر چند کوشش کے بعد بھی تاڑ کا درخت نہیں بن سکتے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں: اللہ تعالی نے نباتات اور حیوانات میں سے ہر ایک کا ایک مستوی اور لیول تجویز کیا ہے، ہر مخلوق کو اس لیول پر پہنچ کر رک جانا ہے جیسے مرچی کے پودے کا ایک لیول ہے، گیہوں اور جوار کے پودوں کا دوسرا لیول ہے، امرود اور آم کے درختوں کا مستوی علحدہ ہے، اور تاڑ کھجور اور ناریل کی پہنچ دور تک ہے، ہر درخت اپنی مقدار پر پہنچ کر رک جاتا ہے، آپ غور کریں امرود اور آم کے درخت جب اپنی مقدار پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر ہر پت جھڑ میں ان کے پتے جڑھتے ہیں، اور ہر بہار میں ان پر کونپلیں نکلتی ہیں مگر وہ وہیں کے وہیں رہتے ہیں بلکہ بوڑھے ہوکر گھٹتے ہیں اور نیچے آتے ہیں، یہی حال انسان کا ہے، ہر انسان کا ایک مستوی ہے وہ وہاں پہنچ کر رک جاتا ہے پھر وہ چاہے کتنی بھی اچھل کود کرے آگے نہیں بڑھ سکتا، پس متوسط مستوی

والے ہر چند کوشش کے بعد بھی بڑے لوگ نہیں بن سکتے، بڑے لوگ بلند مستوی والے ہی بنتے ہیں، مگر وہ عام طور پر ضائع ہوجاتے ہیں۔



فضلاء ضائع کیوں ہوجاتے ہیں؟



اس میں قصور کچھ ارباب مدارس کا ہے، کچھ فضلاء کا ہے، یعنی کچھ سونا کھوٹا ہے، کچھ سنار کھوٹا ہے، مدارس والے مدرسین کو اتنا دیتے ہی نہیں کہ وہ زندگی بھر دلجمعی کے ساتھ کام کرسکیں، گارا بنانے والے مزدور کو بھی یومیہ سوا سو روپے ملتے ہیں یعنی ماہانہ اس کی چار ہزار کی آمدنی ہوتی ہے اور مدرس کو دو ڈھائی ہزار روپے ملتے ہیں جس نے پندرہ سال محنت کی ہے اور اپنی زندگی کا قیمتی وقت خرچ کیا ہے وہ گارا بنانے والے مزدور کے ہم تول بھی نہیں تو کیا مزدور کے خرچ کے بقدر بھی مولوی کے گھر کا خرچ نہیں ہوگا، مگر اہل مدارس سمجھتے نہیں، بلکہ وہ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ مدرسہ میں گنجائش نہیں، سوال یہ ہے کہ پھر بلڈنگیں کہاں سے بن رہی ہیں؟ اور مہتمم بکار مدرسہ کیسے گھوم رہا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ آدمی چاہے ہی نہ تو باتیں ہزار ہیں، غرض جب تک کارکنان کو بقدر ضرورت روزگار مہیا نہیں کیا جائے گا: وہ زندگی بھر کام سے کیسے چمٹے رہیں گے؟ اور آدمی تو بنتا ہی ہے پوری زندگی کھپانے سے، دس بیس سال پڑھانے سے کوئی شیخ الحدیث نہیں بنتا۔

دوسرا قصور فضلاء کا ہے، وہ کیا مل رہا ہے؟ اس کو پیش نظر رکھ کر کام کرتے ہیں حالانکہ علم برائے علم مطلوب ہے، برائے مال مطلوب نہیں، روزی کی ذمہ داری اللہ تعالی نے لی ہے، وہ ہر ایک کا پیٹ ضرور بھرتے ہیں، اور پیسہ تین کام کرتا ہے، آدمی اچھا کھاتا ہے، اچھا پہنتا ہے اور لوگ سلام کرتے ہیں، مولوی کو یہ تینوں نعمتیں تھوڑی تنخواہ

میں بھی حاصل ہیں، خوش خوراک اور خوش پوشاک وہی ہوتا ہے، اور عالم اگر اپنی حالت درست رکھے تو بستی کا ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے، ہندو تک سلام کرتے ہیں پھر اور کیا چاہئے!

البتہ بیوی چونکہ گھر چلانا اپنے باپ کے یہاں سے سیکھ کر آئی ہے اس لئے تھوڑی اس کی تربیت کرنی پڑتی ہے، اس کو خرچ میں اقتصاد یعنی میانہ روی سکھلانی پڑتی ہے، اور خود کو فضول خرچی سے بچانا پڑتا ہے، جیسے موبائل کا خرچ مولوی کے لئے فضول ہے، لوگوں کو اس سے رابطہ کرنا ہے تو کریں، اسے ساری دنیا سے رابطہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ البتہ جب اولاد ہو جاتی ہے تو پھر واقعی پریشانی کھڑی ہوتی ہے، جس کا علاج اہل مدارس کو سوچنا ہے۔

آخری بات

آخری بات یہ ہے کہ آپ حضرات اس مجلس سے اٹھنے کے بعد تین قسموں میں بٹ جائیں گے، ایک وہ ہوں گے جن کی اعلی استعداد نہیں، وہ مکاتب اسلامیہ میں پڑھائیں گے یا مسجد میں امامت کریں گے، یا کاروبار میں لگیں گے، ان کو سب سے پہلے ایک سال کے لئے جماعت میں نکلنا چاہئے، کیونکہ اب مدارس میں طلبہ کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے تربیت کما حقہ نہیں ہو پاتی، پس جماعت میں ایک سال لگانے سے دینی مزاج بنے گا، اور عوام سے کس طرح معاملہ کرنا چاہئے اس کا سلیقہ پیدا ہوگا، پھر وہ جس کام میں لگنا چاہیں لگ جائیں۔

دوسرے متوسط استعداد والے ہیں، جن کو ابھی پڑھنا ہے، اپنی استعداد کی تکمیل کرنی ہے، وہ ابھی اپنے آپ کو طالب علم سمجھیں، جماعت میں یا کسی اور کام میں

نہ لگیں، وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔

اور جو پختہ استعداد والے ہیں اور وہ ضائع نہیں ہونا چاہتے بلکہ دین کے کام میں لگنا چاہتے ہیں، وہ پڑھانے میں لگیں اور رات دن اپنے کام میں منہمک رہیں، جماعت میں وہ ابھی ہرگز نہ نکلیں، ورنہ ایک سال کے بعد وہ کسی کام کے نہیں رہیں گے، طالب علم دو مہینے کی چھٹیوں میں گھر جاتا ہے تو آدھا پڑھا ہوا بھول جاتا ہے، ایک سال جماعت میں لگانے کے بعد تو اس کے کٹورے میں کچھ بھی نہیں رہے گا، وہ استعداد پختہ ہونے تک پوری توجہ کے ساتھ پڑھانے میں لگے رہیں، پھر جماعت میں نکلیں کوئی حرج نہیں، اب اس کی استعداد نہیں بجھے گی، بلکہ جماعت کے کار کو بھی اس کی استعداد سے تقویت ملے گی۔

بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ حضرات جماعت میں نہ نکلیں، وہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ "بھی،، دین کا کام ہے، جماعت کا کام "ہی،، دین کا کام نہیں ہے، اور اس موضوع پر گفتگو کتاب الجہاد میں آچکی ہے، غرض توحید مطلب ضروری ہے اور ایک ہی لائن میں لگے رہنے میں کامیابی ہے۔

اور میری یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اعلی استعداد والے دس سال، اور فروتر استعداد والے پندرہ سال اور کم استعداد والے بیس سال مسلسل رات دن کتابوں کے کیڑے بنے رہیں گے تو اتنی مدت کے بعد علم آنا شروع ہوگا، اور جب علم آنا شروع ہوگا تو خود اس کو احساس ہوگا کہ اب مجھے کچھ حاصل ہونے لگا ہے۔ (تحفۃ الالمعی ج۵)





تفسیر ہدایت القرآن سے چند اقتباسات

پڑھنا عزت کی بات ہے

پہلی وحی سے تین طرح سے تعلیم وتعلم کی اہمیت واضح ہوتی ہے، ایک: پہلی وحی میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، جو حکم سب سے پہلے دیا جاتا ہے وہ اہم ہوتا ہے، دوم: وحی کا پہلا کلمہ اقرأ ہے، سوم: ایک حکم امیوں کو دیا ہے جو اپنے ناخواندہ ہونے پر فخر کرتے تھے یعنی امی ہونا کوئی فخر کی بات نہیں، پڑھو، پڑھنا عزت کی بات ہے۔

جنت کے بلند درجات حاصل کرنے کے لئے کمال علمی یا کمال عملی حاصل کرنا ضروری ہے، دین کا جتنا زیادہ علم ہوگا اتنا بلند درجہ پائے گا، اور عبادت میں جتنا آگے بڑھے گا، بلند مقام پائے گا، اور کمال علمی کمال عملی سے اہم ہے، اور دونوں جمع ہوں تو سونے پر سہاگہ۔ (تفسیر ہدایت القرآن جلد ہشتم ص ۵٦۱)

دین کا علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں

دین کا علم ایک ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں، پوری زندگی اس کے پیچھے لگائی جائے تب شمۂ بھر علم ملتا ہے، یہ علم دنیوی علوم کی طرح نہیں کہ چند دن میں حاصل کر کے نمٹ لیا جائے، علم دین کی تحصیل کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا، حدیث میں ہے کہ جس کو قرآن سے دلچسپی ہے جنت میں اس سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا! ظاہر ہے وہ پڑھنا سمجھ کر ہوگا اور چڑھنا مراتب جنت کے علاوہ مراتب کمال میں بھی ہوگا، البتہ منقطع الدراسۃ کو یہ نعمت حاصل نہ ہوگی، جو موت تک پڑھتا رہا وہی جنت میں پڑھتا رہے گا۔

علم پڑھنے سے آتا ہے

علم پڑھنے سے آتا ہے،اس لئے دومرتبہ اقرأ فرمایا صرف پڑھانے سے علم نہیں آتا،آج مدارس آباد ہیں اور قحط الرجال ہے،کیونکہ پڑھانے والے پڑھتے نہیں،جو طلبہ مدارس سے نکلتے ہیں وہ فارغ ہوجاتے ہیں،اور آتا جاتا کچھ نہیں اور فاضل ہوجاتے ہیں،پھر باکمال شخصیت کیسے پیدا ہوں؟علم دین لوجہ اللہ مطلوب و مقصود ہے،معیشت تابع ہے،اس لئے زندگی بھر اس میں لگا رہنا چاہئے تب کمال علمی حاصل ہوگا۔

پڑھنے سے علم کبھی نہیں آتا، پڑھنے سے آتا ہے

طالب علم (ناخواندہ) کے پڑھنے میں تین چیزیں ہیں،اگر یہ تین چیزیں حاصل ہیں تو وہ پڑھ رہا ہے،ورنہ مدرسہ میں "پڑا،، ہے،اور پڑھنے سے علم کبھی نہیں آتا،پڑھنے سے آتا ہے،ایک:سبق میں مطالعہ کر کے جائے،جو مطالعہ کئے بغیر جاتا ہے وہ استاذ کو پڑھانے جاتا ہے،دوم:سبق سمجھ کر پڑھے بے سمجھے آگے نہ بڑھے،جو آج استاذ سے نہیں سمجھے گا وہ کل کس سے سمجھے گا؟ سوم:خواندہ یاد کرے،ورنہ پڑھا ہوا چند دن میں بھول جائے گا،اور وہ اس شخص کی طرح ہوجائے گا جو ہاتھوں میں سوراخ کر کے پیتا ہے،پانی اس کے منہ تک کبھی نہیں پہنچے گا۔

عالم کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں ہیں

عالم (خواندہ) کے پڑھنے میں بھی تین چیزیں ہیں،ایک:فن دیکھ کر پڑھائے،کتاب کے متعلقات پر اکتفا نہ کرے،شرح میں سارا علم نہیں،ورنہ شروح لکھنے کا سلسلہ جاری نہ رہتا،دوم مطالعہ کی تجمیع کرلے،حاصل مطالعہ لکھ لے،ہر سال

پورا فن نہیں دیکھ سکے گا، سوم: استنتاج کرے، معلومات میں غور کر کے نئے نتائج نکالے، فنون اسی طرح ترقی کرتے ہیں۔ (۵۶۳، ۵۶۴)



وہ اسباب جن سے آدمی بڑا رتبہ پا سکتا ہے



سوال: وہ اسباب کیا ہیں جن سے آدمی بڑا رتبہ پا سکتا ہے؟

جواب: دو سبب ہیں: کمال علمی اور کمال عملی پیدا کیا جائے، اور دونوں میں افضل کمال علمی ہے، سورۂ علق میں اسی کا بیان ہے، اور اگلی سورت میں کمال عملی کا بیان ہے، پھر سورۃ البینہ میں کمال علمی حاصل کرنے کا ذریعہ قرآن کریم کو بتایا گیا ہے، اس لئے کہ "فیہا کتب قیمۃ" اس میں قیمتی مضامین ہیں، ان کے ذریعہ کمال علمی پیدا کیا جا سکتا ہے۔

نیز فرمایا کہ سورۃ الذاریات میں یہ بات بیان کی ہے کہ قرآن کریم کا ایک خاص اسلوب ہے جب وہ کسی مقصد سے کوئی بات شروع کرتا ہے تو سلسلہ کلام دراز ہوجاتا ہے، پس جو لوگ پوری آیت یا پوری سورت پیش نظر رکھ کر سوچتے ہیں وہ ربط نہیں پا سکتے آیت اور سورت میں جو خاص جزء ما سیق لاجلہ الکلام (مقصود) ہوتا ہے اس کو لیں گے تو ربط واضح ہوگا، چھوٹی چھوٹی سورتوں میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہنی چاہئے۔ (حوالا بالا ص ۵۶۰، ۵۶۱)



جس کو لوگوں سے انسیت حاصل ہوجاتی ہے وہ اگر سونا.....



تحفۃ الالمعی ج ۸ ص ۱۵۴ پر ہے:

فرمایا کہ: میرے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری ثم مہاجر مدنی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے: جس کو لوگوں سے انسیت حاصل ہوجاتی ہے وہ

اگر سونا بھی ہوتا ہے تو ٹھیکری بن جاتا ہے، اور جس کو لوگوں سے وحشت ہو جاتی ہے، تو وہ اگر ٹھیکری بھی ہوتا ہے تو سونا بن جاتا ہے، نیز فرمایا کہ یہ طلبہ اور علماء کے لئے ایک قیمتی نصیحت ہے وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے، اس کو لغویات میں ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہئے، اس کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانا چاہئے۔









سنت صدیقی پر عمل

آپ تو لیتے نہ تھے تدریس کا کوئی عوض
ہر مہینہ کچھ نہ کچھ کرتے رہے خود ہی عطا
(سید افضل حسین قاسمی)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے دار العلوم اشرفیہ، راندیر میں نو سال تک تدریسی خدمت انجام دی، اس کے بعد دار العلوم دیوبند میں مدرس ہو گئے دونوں دار العلوم سے آپ نے جو تنخواہ وصول کی تھی آپ نے اپنی معاشی حالت بہتر ہونے پر اس کو دونوں دار العلوم کو واپس کر دیا، اور بعد کا زمانہ تدریس بغیر کوئی معاوضہ لئے خدمت انجام دی، میں نے "فی سبیل اللہ،، کا لفظ استعمال نہیں کیا، وجہ؟۔

تو کیا تنخواہ لے کر پڑھانے والا فی سبیل الشیطان پڑھاتا ہے

ہماری مسجد میں جہاں حضرت رحمہ اللہ کی ایک طویل عرصہ آمد رہی ہے، حضرت رحمہ اللہ کے کمرے میں ظہر کی نماز کے بعد شمع کے اردگرد کچھ پروانے جمع تھے، ایک صاحب حضرت رحمہ اللہ کو سنانے لگے کہ فلاں مدرسہ میں فلاں مولانا صاحب "فی سبیل اللہ،، دین کی خدمت انجام دیتے ہیں

اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو بغیر تنخواہ کے پڑھاتے ہیں وہ "فی سبیل اللہ،، پڑھاتے ہیں اور جو تنخواہ لے کر پڑھاتے ہیں تو کیا وہ "فی سبیل الشیطان،، پڑھاتے ہیں، نہیں دونوں "فی سبیل اللہ،، ہی کام کر رہے ہیں، جن کی معاشی حالت بہتر ہے وہ مدرسہ سے تنخواہ نہیں لے رہے اور جن کے معاشی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتے وہ تنخواہ وصول کرتے ہیں، ہے تو دونوں ہی فی سبیل اللہ۔

شاہ،گردی، نے اساتذہ وطلبہ کے درمیان ایک خلیج پیدا کردی ہے

فرمایا کہ: ہمارے طلبہ جو اساتذہ کے پیچھے چلتے ہیں یہ صحیح طریقہ نہیں،لفظ شاگرد نے یہ غلط راہ ڈالی ہے،عرب میں استاذ کو اور شاگرد کو دونوں کو صاحب (ساتھی) کہتے ہیں اس لئے طلبہ استاذ کے ساتھ دائیں بائیں چلتے تھے،بعد میں استاذ اور شاگرد کے الفاظ وجود میں آئے،شاگرد کی اصل "شاہ،، "گرد،، ہے بادشاہ کے پاؤں کی خاک،جب طالب علم خاک بن گیا تو اب وہ ساتھ کیسے چلے؟ وہ خود بخود پیچھے چلنے لگا،اور افادہ اور استفادہ کا سلسلہ بند ہوگیا،اگر طالب علم ساتھ چلے گا تو گفتگو جاری رہے گی،گویا مدرسہ چل رہا ہے،اور پیچھے چلے گا تو کوئی نہیں بولے گا،صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ ساتھ دائیں بائیں چلتے تھے،آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ایڑی کوئی نہیں روندتا تھا،پس ہمیں بھی صحابہ کے اسوہ پر عمل کرنا چاہئے۔ (تحفۃ الالمعی ج۱ص ۵۱۳)

جس جگہ شور کیا جاتا ہے اس جگہ کا احترام دلوں سے نکل جاتا ہے

فرمایا کہ: جس جگہ شور کیا جاتا ہے اس جگہ کا احترام دلوں سے نکل جاتا ہے،طلبہ کو بھی درسگاہوں میں پروقار اور سنجیدہ رہنا چاہئے ورنہ دلوں سے درسگاہ کا احترام نکل جائے گا،اور یہ بات حدیث شریف کے انوار سے محرومی کا باعث بنے گی۔ (تحفۃ الالمعی ج۱ص ۵۵۵)

علم در سینہ نہ کہ در سفینہ

فرمایا کہ: لکھنے سے حفظ کی صلاحیت کمزور ہوجاتی ہے،لکھے ہوئے پر اعتماد ہوجاتا ہے،آدمی سوچتا ہے کہ استاذ کی تقریر میرے پاس لکھی ہوئی محفوظ ہے جب چاہوں گا دیکھ لوں گا،حالانکہ علم در سینہ نہ کہ در سفینہ،کتب خانے کتابوں سے بھرے

پڑے ہیں مگر مراچہ تراچہ؟ ہمارا علم تو وہی ہے جو ہمیں محفوظ ہے، باقی علم دیمک اور کیڑوں کی خوراک ہے، امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ کا واقعہ مشہور ہے کہ جب وہ طالب علم تھے ان کا تھیلا کتالے گیا تھا، وہ رہ رہے تھے، کسی نے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہا کہ میرا سارا علم اس تھیلے میں تھا، میں نے آج تک جو کچھ پڑھا تھا اس کی کاپیاں کتا لے گیا، اس شخص نے کہا تف ہے تیرے پڑھنے پر کہ تیرا علم ایک کتا لے گیا، اس دن سے امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے معمول بنالیا کہ جو کچھ پڑھتے تھے، پہلے لکھ لیتے تھے، پھر اس کو یاد کرلیتے تھے، تاکہ علم ضائع نہ ہوجائے۔ (تحفۃ الالمعی ج ۱ ص ۶۶)

ابھی یہ کتاب مت پڑھو، جب وقت آئے گا میں بتادوں گا

فرمایا کہ: میں مظاہر علوم میں پڑھتا تھا، مودودی صاحب کی کتاب ”پردہ،، کی بہت تعریف سنی تھی، میں درس گاہ میں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کررہا تھا، پیچھے سے مفتی یحیی صاحب قدس سرہ گذرے آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا ابھی یہ کتاب مت پڑھو، جب وقت آئے گا میں بتادوں گا، میں نے کتاب بند کردی، پھر مودودی صاحب کی کوئی کتاب نہیں پڑھی، جب میں فارغ ہوکر راندیر (سورت) مدرسہ اشرفیہ پڑھانے چلا گیا تو سات سال کے بعد مفتی صاحب قدس سرہ کا کارڈ موصول ہوا کہ اب تم مودودی کی کتابیں پڑھ سکتے ہو، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، کتنے دنوں تک بات یاد رکھی۔ (تحفۃ الالمعی ج ۱ ص ۱۲۰)

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی زندگی سے حاصل ہونے والے اسباق

درس میں حاضری کی پابندی، صرف تعطیلات میں سفر، پڑھائی کے دنوں میں کہیں آنا جانا نہیں ہوتا تھا، یہ عادت مدارس کے اساتذہ کے لئے قابل عمل ہے۔

کتاب کو مکمل تیاری و کامل مطالعہ کے ساتھ پڑھانا، یہ بھی قابل عمل قیمتی وصف ہے، آج بہت سے حضرات طلبہ کے سامنے کتاب کے متعلق کچھ مختصر سی بات کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں طلبہ کتاب سے مطمئن نہیں ہو پاتے۔

کتاب کو شروع سال سے آخر سال تک یکساں پڑھانا۔ کتاب کی تدریس کے وقت طلبہ کی حاضری پر سختی وغیرہ۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ

حصہ دوم

وہ قیمتی ہی نہیں نہایت بیش قیمت شخص تھے
ہو رہا ہے یہ احساس ان کے چلے جانے کے بعد

(ماسٹر لاجپوری)

اللہ جسے چاہے اسے ملتی ہے سلیم
وہ شمع انجمن تھے، ہر کوئی پروانہ تھا

بہت جی لگتا تھا صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ سابق شیخ الحدیث ام المدارس، دار العلوم دیوبند کی مسجد قبا، لندن حاضری کی کچھ یادیں، کچھ باتیں

مرتب

(مولانا) عبد السلام ابراہیم ماروِیا، لاجپوری
خادم مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن

تھے مفتی سعید احمدؒ حق گو حق پسند

تھے مفتی سعید احمدؒ حق گو حق پسند
کرتے تھے بات حق، چاہے لگتی کسی کو ناپسند
علمی آدمی تھے کرتے تھے علمی کاموں کو پسند
فضولیات سے بچتے تھے کرتے تھے اس کو ناپسند
ہمیشہ لکھنے پڑھنے کا رکھتے تھے مشغلہ
وقت کی ناقدری کو کرتے تھے بالکل ناپسند
دیکھتے کسی فاضل کو دینی کاموں سے دور
ٹوکتے تھے اس کو برملا کرتے تھے ناپسند
رسم و رواج سے رہتے تھے خود بھی دور
کرتے تھے رسم و رواج کو بالکل ناپسند
کرتے تھے حق بات کا اظہار برملا بروقت
روک ٹوک میں دیری تھی آپ کو ناپسند
تعزیتی اجلاس سے رہنے لگے تھے دور
کرتے تھے اس کے انعقاد کو بالکل ناپسند
خوشامد اور چاپلوسی سے تو تھی بالکل دوری
خوشامد اور چاپلوسی کو کرتے تھے بالکل ناپسند
تدریس میں مختصر تقریر کو کرتے تھے پسند

طویل تقریر سے تھا پرہیز،کرتے تھے ناپسند
رمضان میں تلاوت قرآن کرتے تھے پسند
اور کاموں کو کرتے تھے رمضان میں ناپسند
کسی کا کام آتا پسند تو کرتے تھے تعریف
مگر تعریف میں مبالغہ کرتے تھے ناپسند
رہتے تھے بے تکلف،بے تکلفی تھی پسند
تکلف سے تھی دوری، تکلف تھا ناپسند
تھے مقلد اور کرتے تھے تقلید کو پسند
عدم تقلید کو کرتے تھے بالکل ناپسند
کرتے تھے حق کی حمایت حق بات تھی پسند
حق ہی بولتے تھے چاہے لگے کسی کو ناپسند
گفتگو کرتے تھے بادلیل اور صاف ستھری
کمزور اور بے صفحہ کی بات تھی بالکل ناپسند
کرتے رہیں تاحیات حق کا پرچم بلند
خدا کرے ان کے درجات خوب بلند
ماسٹر کی یہ دعا کر تو الہی اپنے فضل سے قبول
تو ہے بڑا کریم ورحیم مانگنے کو کرتا ہے پسند

(ماسٹر لاجپوری)





آمد برطانیہ

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی سرزمین برطانیہ میں سب سے پہلی آمد آپ کے شاگرد حضرت مولانا قاری یعقوب صاحب نانجی مدظلہ العالی کی دعوت پر "طیبہ مسجد"، بولٹن میں ہوئی تھی۔

مسجد قبا میں پہلی آمد کا قصہ

وہ آئے تو چمن میں بہار آئی
وہ گئے تو ہر پھول مرجھا گئے

رمضان المبارک کے بعد آپ کی انڈیا واپسی "دنیا کے سب سے مشہور اور بڑی ہوائی اڈے ہیتھرو airport سے تھی، آپ واپسی سے دو تین دن قبل بولٹن سے لندن میں واقع علاقہ اپٹن لین تشریف لے آئے، upton lane سے چند میل کے فاصلے پر ہمارا علاقہ ہے اسٹامفورڈ ہل stamford hill وہاں کی ایک مسجد میں حضرت کے شاگرد جناب مولانا اسماعیل صاحب سید یوت دامت برکاتہم امام تھے، اپٹن لین میں ایک مسجد ہے بنام "مسجد قوۃ الاسلام"، حضرت کا اس مسجد میں عصر کی نماز کے بعد بیان ہونا تھا، قوۃ الاسلام مسجد کی انتظامیہ نے ہماری مسجد کے امام صاحب سے درخواست کی کہ آپ اپنی مسجد میں حضرت مفتی صاحب کے بیان کا اعلان کردے، چنانچہ حضرت امام صاحب نے حضرت رحمہ اللہ کے بیان کا اعلان کیا اور بذات خود اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مجلس بیان میں شرکت بھی کی، حضرت امام صاحب نے حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات پر اپنی مسجد جس میں وہ امام تھے حضرتؒ کو بیان کی دعوت

پیش کی، حضرت مفتی صاحب نے دعوت بیان کو منظور فرمالیا اور وقت مقررہ پر ہماری مسجد تشریف لے آئے، حضرت امام صاحب نے حضرت کی اجازت سے بیان سے پہلے اعلان کیا کہ نماز کے بعد پہلے حضرت کا بیان ہوگا اور ختم بیان پر مسائل (فقہی مسائل) کی مجلس ہوگی، جسے جو کچھ دینی مسائل معلوم کرنا ہو وہ حضرت رحمہ اللہ سے معلوم کرسکتا ہے، حضرت کا تعلق چونکہ گجرات سے تھا لہٰذا اعلان میں یہ بات بھی کہی گئی کہ حضرتؒ گجراتی زبان سے بھی واقف ہے، کوئی صاحب اگر گجراتی زبان میں بھی کوئی دینی سوال کرنا چاہے تو کرسکتا ہے (چونکہ ہماری مسجد میں اکثریت گجراتیوں کی ہے) چنانچہ نماز کے بعد حضرت کا بیان ہوا اور ختم بیان پر فقہی مجلس بھی۔

دعوت رمضان

نمازیوں نے حضرت کی تقریر اور فقہی مجلس دونوں کو خوب پسند کیا، امام صاحب اور مجلس کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو آئندہ سال رمضان المبارک کے لئے بیان کی دعوت پیش کردی، حضرتؒ کا جواب تھا کہ چونکہ میں طیبہ مسجد بولٹن کی دعوت پر یو، کے آیا تھا اور آئندہ سال رمضان المبارک کے لئے بھی طیبہ مسجد والوں کی طرف سے مجھے دعوت مل چکی ہے اب وہ کسی قیمت اس بات پر راضی نہیں ہوں گے کہ میں آئندہ رمضان المبارک یہاں آپ کے ساتھ آپ کی مسجد میں گذاروں، پھر بھی آپ لوگ اگر ان سے اس سلسلہ میں بات کرنا چاہے تو میری طرف سے اجازت ہے، چنانچہ بولٹن والوں سے اس سلسلہ میں بات کی گئی، شروع میں تو انہوں نے بالکل انکار کردیا، مگر پھر ایک شرط پر راضی ہوئے کہ حضرت مفتی صاحب ایک سال پورا رمضان المبارک بولٹن ہماری مسجد میں اور ایک سال آپ کی مسجد، مسجد قبا

لندن میں گذاریں گے، کچھ عرصہ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔



تسلسل کے ساتھ آمد اور پھر وقفہ



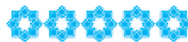
پھر اللہ تعالی کی طرف سے کچھ ایسا نظام طے پا گیا کہ حضرت نے مسلسل سات یا آٹھ رمضان ہماری مسجد میں گذارے، پھر ہوا یہ کہ آپ کے ایک اور شاگرد نے آپ کو کینیڈا آنے کی دعوت دی، چنانچہ حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ وہاں تشریف لے گئے، اور پھر کینیڈا کے علاوہ دوسرے کچھ اور ممالک سے بھی رمضان المبارک میں بیان کے لئے دعوت ملتی رہی، اس وجہ سے ہماری مسجد میں آمد کا جو تسلسل تھا وہ تو البتہ باقی نہیں رہا لیکن اس کے بعد بھی حضرت کی تشریف آوری ہماری مسجد میں رمضان المبارک میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، نیز یہ بھی ہوا کہ جب کبھی رمضان المبارک میں حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی تشریف آوری ہماری مسجد میں نہ ہو سکی تو کینیڈا یا امریکہ جاتے ہوئے یا پھر واپسی پر سفر کا پروگرام ایسا بناتے تھے کہ ہماری مسجد میں کچھ دنوں کے لئے آپ کی حاضری ہو جاتی تھی۔



آخری حاضری



آپ کی آخری حاضری ہماری مسجد میں ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء میں ہوئی، یہ پورا رمضان المبارک مسجد قبا کے تمام مصلیوں نے الحمدللہ آپ کی معیت میں گذارا۔





سب سے مشکل مرحلہ

حضرت رحمۃ اللہ کی جب بھی ہماری مسجد آمد ہوتی تو مسجد کی انتظامیہ مجھ سے فرمائش کرتی کہ حضرت رحمۃ اللہ کی تقریر سے پہلے میں حضرت رحمۃ اللہ کا مختصر تعارف اور آمد کا شکریہ ادا کردوں، یقین جانئے یہ مرحلہ میرے لئے بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا تھا، اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کا مزاج یہ تھا کہ آپ عام طور پر ان تکلفات کو پسند نہیں کرتے تھے، میں اللہ کا نام لے کر کھڑا ہوجاتا اور زیادہ تر اشعار کا سہارا لے کر یہ ذمہ داری پوری کرتا تھا، ان میں سے کچھ اشعار یہ ہیں ۔

آپ کے آنے سے خوش ہر مسلم ناشاد ہے
سب کی زباں پر چشم ما روشن دل ماشاد ہے
آپ کے خلوص کا یہ ادنی سا کرشمہ ہے
کہ بزم اہل سخن خود کھنچی چلی آئی
آپ کی آمد کا رہتاہے ہمیں اس طرح انتظار
جس طرح باغباں کو رہتا ہے فصل گل کا انتظار
زندگی زیر لب گنگنانے لگی
آپ آئے فضا مسکرانے لگی
دل کو سکون ملتاہے مسکرانے سے
محفل میں رونق آئی ہے آپ کے آنے سے
یوں تو کتنے ہی آفتاب آئے
روشنی تب ہوئی جب آپ آئے

دور میں ساغر رہے گردش میں پیمانہ رہے
ہم مے کشوں کے سر پہ پیر میخانہ رہے



علم والوں سے رابطہ رکھنا
اپنا کوئی تو ضابطہ رکھنا
اپنا کوئی تو ضابطہ رکھنا
جاری تم بھی یہ سلسلہ رکھنا
جن سے حاصل ہو تم کو علم وہنر
ان سے ملنے کا سلسلہ رکھنا



آپ کی دید ہمارے لئے عید ہوتی تھی



حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی آمد پر ہماری مسجد کا ماحول بڑا بارونق ہوجا تا تھا۔

آمد سے ان کی محفل ہوجاتی تھی بارونق
دل ہوجاتے تھے شاد، آنکھیں ہوجاتی تھی روشن
(ماسٹر لاجپوری)

آپ کی آمد کے ساتھ ہی مسجد میں ایک خاص قسم کی چہل پہل اور رونق نظر آنے لگتی تھی، آپ کی آمد رمضان المبارک سے پہلے ہوتی تھی مگر سچ پوچھئے تو آپ کی "پہلی دید ہمارے لئے عید ہوتی تھی،، اور عید سے پہلے ہی گویا ہم عید کی خوشی محسوس کرنے لگتے تھے۔



ہر روز روز عید، و ہر شب شب قدر است



جب تک آپ کا قیام ہماری مسجد میں ہوتا ہمارے جذبات یہ ہوتے تھے کہ۔

ہر روز روز عید و ہر شب شب قدر است



رمضان المبارک میں پیر سے جمعرات روزانہ آپ کے دو بیان ہوتے، اور جمعہ، سنیچر، اتوار کو تین بیانات ہوتے، جمعہ کے روز نماز جمعہ سے پہلے بھی بیان ہوتا تھا، اور سنیچر، اتوار کو نماز ظہر سے پہلے اور کبھی نماز ظہر کے بعد خواتین کے لئے خصوصی بیان کی نشست ہوتی تھی، جس میں آپ علم کے موتی رولتے تھے، اسی طرح رات کو فقہی مسائل کی نشست بھی لگتی تھی، اس کی ترتیب مختلف رہی ہے کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ہفتہ کے ساتوں دن یہ مجلس منعقد ہوئی ہے اور ایسا بھی ہوا کہ ہفتہ میں تین دن جمعہ، سنیچر، اتوار کو یہ مجلس ہوئی ہے، رات میں ہونے والی فقہی مسائل کی مجلس میں علم کا دریا بہتا تھا، اس طرح ہمارا ہر دن "روز عید،، اور "ہر شب، شب قدر،، کی طرح قیمتی بن جاتی تھی۔



وعظ و نصیحت اور اس کا فائدہ

حضرت رحمۃ اللہ کی تشریف آوری کا مقصد ہوتا تھا اہل بستی کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا، وعظ و نصیحت کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے "وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" اس تعلق سے حضرت رحمۃ اللہ "رحمۃ اللہ الواسعۃ ج ١ ص ١٧٧"، پر تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور وعظ و نصیحت سننا بھی اہم نیکی کا کام ہے، اور تلاوت اور وعظ میں "عام خاص من وجہ"، کی نسبت ہے، کہیں دونوں جمع ہوجاتے ہیں، کہیں الگ ہوجاتے ہیں، جب آدمی سمجھ کر تلاوت کرے تو دونوں باتیں جمع ہوں گی، ورنہ محض تلاوت ہوگی اور کسی نیک آدمی کا وعظ سننا محض وعظ سننا ہے۔ اور تلاوت اور وعظ سننے کے دو اہم فائدے ہیں:

(ایک فائدہ یہ ہے کہ) جب آدمی بغور تلاوت کرتا ہے یا وعظ و نصیحت سنتا ہے اور اس کو دل میں اتارتا ہے تو اللہ کا ڈر اور اللہ سے امید اور عظمت الٰہی کے سامنے حیرانی طاری ہوتی ہے، نیز احسانات خداوندی جو قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان کئے گئے ہیں اور قدرت کی کرشمہ سازی جس کا بار بار تذکرہ آتا ہے آدمی کا نفس ان مضامین میں ڈوب جاتا ہے اور خوابیدہ طبیعت جاگ اٹھتی ہے اور نفس میں ملکوتی انوار کے فیضان کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اسی وجہ سے یہ دونوں باتیں موت کے بعد انسان کے لئے بے حد نفع بخش ثابت ہوتی ہیں اور قبر میں نکیرین کے سوالات کے صحیح جوابات دینے میں ان دونوں باتوں سے بڑی مدد ملتی ہے۔

"رحمۃ اللہ الواسعۃ ہی میں ج ٢ ص ٢٩٥"، پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

لوگوں کے لئے دین پر عمل کرنا اس وقت آسان ہوتا ہے جب دینی تعلیم عام

کی جائے، گاہ بہ گاہ پند وموعظت کی جائے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک رائج طریقہ بنادیا جائے، جب لوگوں کو دین کا کما حقہ علم حاصل ہوگا، وہ بار بار نصیحتیں سنیں گے، ان کو اچھے کاموں کی تلقین کی جائے گی اور برے کاموں سے روکا جائے گا تو ان کے دل ان باتوں سے معمور ہوجائیں گے اور وہ بلا تکلف قوانین شریعت کی پابندی کرنے لگیں گے، اسی لئے آنحضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقفہ وقفہ سے لوگوں کو پند وموعظت کیا کرتے تھے اور مسلسل ان کی تعلیم کا اہتمام کرتے تھے جس کی وجہ سے ہر صحابی دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کے جذبہ سے سرشار ہوگیا تھا، آج بھی آنحضو صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے جانشینوں (علماء اور حکام) کو لوگوں کی دینی تعلیم کا اور پند وموعظت کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھنا چاہئے اور مسلسل لوگوں کی ذہن سازی کرتے رہنا چاہئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا رواج عام کرنا چاہئے اسی سے دین پر عمل پیرا ہونا آسان ہوگا۔

کردارِ سعید

مجھے یہ کہنے میں کچھ بھی تردد نہیں کہ ہمارے علاقے کی دینی کایا پلٹ میں حضرت رَحِمَهُ اللهُ کے بیانات، سوالات وجوابات کی فقہی نشست، اور آپ کی دعائے سحر گاہی کا اہم کردار رہا ہے، آپ کے روح پرور بیانات کی برکت سے ہمارے علاقے کے کئی بے نمازی نمازی بن گئے، فرض روزے میں سستی اور کوتاہی کرنے والوں کو روزہ رکھنے کی توفیق ہوئی، حج فرض ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں تاخیر کررہے اشخاص جلد از جلد حج کی سعادت سے مالا مال ہوئے۔

تقریر سبب بن گئی حج بیت اللہ کی ادائیگی کا

خطابت کی گلفشانی مسلم ہے زمانہ میں
یہ نجاشی کے آگے جعفر طیار بن جائے
سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں

(اکبر الہ آبادی)

ایک صاحب نے جواب ہمارا علاقہ چھوڑ کر پڑوس کے علاقے میں منتقل ہو گئے ہیں خود اپنا حال سنایا کہ میرے اوپر حج فرض ہو چکا تھا، مگر میں حج پر جانے میں ٹال مٹول کر رہا تھا، ایک دن حضرت رحمہ اللہ کا بیان سنا جس میں حضرت نے حج کی ادائیگی کے ظاہری و باطنی فوائد اور حج فرض ہوجانے پر اس میں سستی کرنے کے نقصانات سے آگاہ کیا، حضرت رحمہ اللہ کی باتیں میرے دل کو لگ گئی، فارسیان کہتے ہیں ۔

از دل خیزد ، بر دل ریزد

اور میں نے اسی سال حج کا فریضہ ادا کرلیا۔



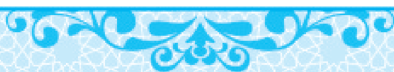
تقریر سن کر بینک کی ملازمت ترک کردی



جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

(علامہ اقبالؒ)

ایک صاحب بینک میں ملازم تھے، انہوں نے خود مجھے بتایا کہ ایک روز



حضرت رحمہ اللہ نے اس موضوع پر مفصل ومدلل تقریر کی کہ بینک کی ملازمت کرنا کیسا ہے، حضرت کی تقریر سن کر میں نے بینک کی ملازمت ترک کردی اور ٹیکسی چلانا شروع کردیا، کچھ عرصہ یہ کام کیا اس کے بعد ایک اچھی جاب لگ گئی، فی الحال وہ ایک اچھی پوسٹ پر ہے۔



خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے



بعض مصلیوں نے بتایا کہ ہم پہلے بے ریش تھے، حضرت رحمہ اللہ کے بیانات سن کر چہرے پر سنت سجالی، اور کئی اشخاص جو دین سے دور تھے وہ نہ صرف یہ کہ دین کی طرف راغب ہوئے بلکہ اس سے آگے ؂

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کا مصداق بن گئے۔

هو السميع العليم

صحبت اہل اللہ سے خروج عن الاسلام کا احتمال نہیں رہتا

حکیم الامت، مجدد الملت، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ کا ملفوظ ہے کہ صحبت اہل اللہ میں ایک خاص بات قلب میں ایسی پیدا ہوجاتی ہے کہ جس سے خروج عن الاسلام کا احتمال نہیں رہتا، خواہ گناہ اور فسق وفجور بھی کچھ اس سے وقوع میں آئیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا کہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے، مردودیت کی نوبت نہیں پہنچتی، برخلاف اس کے ہزاروں برس کی عبادت میں بھی بذاتہ یہ اثر نہیں کہ وہ کسی کو مردودیت سے محفوظ رکھ سکے، چنانچہ شیطان نے لاکھوں برس عبادت کی لیکن وہ اس کو مردودیت سے نہ روک سکی، یہی معنی ہیں اس شعر کے ؎

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

سب سوالوں کا تسلی بخش جواب مل گیا

جانے کس انداز سے تقریر کی
پھر نہ پیدا شبہٗ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ ایمان کا
جیسے قرآں آج ہی نازل ہوا

ایک نوجوان نے مجھے سنایا کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج، اسلامی سزائیں اور دیگر کچھ اسلامی احکام کو لے کر اشکالات تھے، اور اس چیز نے اس کے ایمان کی مایہ کو دیمک کی طرح دھیرے دھیرے چاٹنا شروع کردیا تھا کہ من جانب اللہ یہ نظام بنا کہ میں حضرت مفتی صاحب رحؒ کی مجلس میں جا پہنچا، پہلی ہی مرتبہ

کی حاضری نے اسے آپ کا ایسا گرویدہ بنادیا کہ پھر وہ آپ کی ہر مجلس میں حاضری دینے لگا، آپ کے صحبت فیض سے اسے اس کے سب سوالوں کا جواب بغیر پوچھے مل گیا، وہ کہتا ہے کہ حضرت نے جو جو سوالات میرے دماغ میں گردش کر رہے تھے اور میرے ایمان کی بنیادوں کو ہلا رہے تھے ان سب مسائل پر اتنا مدلل کلام کیا کہ وہ سب اشکالات دور ہو گئے۔

محنت اور امید

ایک مرتبہ حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی رمضان المبارک کے بعد امریکہ سے ہماری مسجد میں حاضری ہوئی، مسجد کے مہمان خانہ میں کچھ احباب حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کے ساتھ موجود تھے، ایک صاحب نے حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ رمضان المبارک ہمیشہ یہاں ہماری مسجد میں ہی گذارے، آپ کی حاضری ہوتی ہے تو مسجد میں خوب رونق رہتی ہے۔

اس پر حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ میں نے ایک طویل عرصہ یہاں آپ کے ساتھ گذارا ہے، الحمدللہ! میں نے یہاں کے لوگوں پر عقائد پر اتنی محنت کی ہے کہ اب مجھے اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ آپ کے علاقے کا کوئی فرد بے دین یا گمراہ نہیں ہوسکتا،، رہی بات اعمال میں کمزوری کی تو وہ تو ہر دور میں رہی ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔

امریکہ میں باطل اور گمراہ فرقوں کا بہت زور ہے

نیز فرمایا کہ امریکہ جانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ امریکہ میں عقائد پر محنت کی بہت ضرورت ہے، وہاں باطل اور گمراہ فرقوں کا بہت زور ہے، اور میرا معمول ہے کہ

تقریر میں میرا زور ہمیشہ عقائد کی پختگی پر ہی ہوتا ہے، میں فضائل کے باب میں بہت کم گفتگو کرتا ہوں، چونکہ اس موضوع پر دیگر علماء بولتے ہی رہتے ہیں۔



مدافعت بھی ضروری ہے



نیز فرمایا کہ مسالک کا ذکر تہتر (۷۳) فرقوں والی حدیث میں ہے، ان میں سے بہتر (۷۲) فرقے جہنم میں جائیں گے، صرف اہل السنۃ والجماعۃ عقائد کی صحت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے، پس لوگوں کو دعوت تو دین کی دی جائے، مگر گمراہ جماعتوں کی طرف سے اہل السنۃ والجماعت کے معتدل مسلک (دیوبندیت) پر حملہ ہو تو اس کی مدافعت بھی ضروری ہے بلکہ اس کو اشتباہ سے بچانا بھی ضروری ہے، اگر اہل السنۃ والجماعۃ خاموش رہیں گے اور گمراہ فرقوں کی گمراہی واضح نہیں کریں گے تو نقصان اہل حق کو ہوگا، گمراہ فرقے اپنی گمراہی پھیلاتے رہیں گے اور اہل حق کی زمین سکڑتی جائے گی۔

تین اہم خوبیاں

دل محبت پہ فدا آنکھ مروت سے غنی
تجھ کو دشمن کی بھی منظور نہ تھی دل شکنی
مگر انصاف کے حق میں ہو اگر نیش زنی
پھر نہ تھا تجھ سے زیادہ کوئی جرأت کا دھنی

(۱) آج کا دور "مصلحت پسندی، اور مصلحت بینی،، کا دور ہے لوگ کہتے بھی ہیں کہ جس نے اس ہنر کو اپنالیا وہ کامیاب رہا، اور جس نے اصولوں کی پابندی کی، حق گوئی کا مظاہرہ کیا اور بیبا کی سے بات رکھی وہ خسارے میں رہا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آج کے انسان نے "مصلحت پسندی اور مصلحت بینی،، کو اپنا شعار بنالیا ہے، الا ماشاء اللہ۔

حق بات کہنے میں مصلحت کا پہلو نہیں دیکھا کرتے تھے

آج کل لوگ حق بات پر "مصلحت کی چادر اوڑھا دیتے ہیں،، اور حق بات بیان نہ کرنے کا یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ فی الحال یہ بات کہنا "مصلحت کے خلاف ہے،، اور دیکھا یہ گیا عام طور پر کہ عمر تو گذر جاتی ہے مگر اس حق بات کو جرأت کے ساتھ بیان کرنے کا وقت ہی نہیں آتا، اور بعض مرتبہ تو یہ "مصلحت پسندی اور مصلحت بینی،، وقت پر حق بات نہ کہنے پر بہت بڑا نقصان پہنچاتی ہے، مگر حضرت مفتی صاحب رَحِمَهُ اللهُ حق گو واقع ہوئے تھے، آپ کے خطابت کی پہلی اور سب سے اہم خوبی یہ تھی کہ آپ حق بات کہنے میں چاہے آپ ہند میں ہو یا بیرون ہند ذرا بھی نہیں جھجکتے تھے، آپ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ لوگ میری گفتگو کا کیا اثر لیں گے، اور اس خطاب کے بعد لوگوں کی رائے میرے بارے میں کیا بنے گی اور نہ ہی آپ حق

بات کہنے میں مصلحت کا پہلو دیکھا کرتے تھے۔

حضرت رحمہ اللہ کا "مصلحت کو لیکر وہی مسلک تھا جو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا تھا، حضرت فرماتے تھے کہ کسی کا کوئی "طرز ہو،، میرا تو یہ "مسلک،، ہے کہ "شریعت کو مصالح پر مقدم رکھتا ہوں،، میرے یہاں مصالح "پیس،، دیئے جاتے ہیں کیونکہ "مصالح،، کو جتنا پیسا جائے سالن زیادہ لذیذ اور مزے دار ہوتا ہے۔

(الافاضات الیومیہ حصہ سوم ص ۲۰)

(۲) عقائد حقہ سے سامعین کو باخبر کرنا، بیان کرنے کا انداز اتنا سہل اور پیارا کہ ادھر آپ بولتے جاتے اور ادھر سامعین کے قلوب میں وہ باتیں گھر کرتی جاتی تھی۔

(۳) مسلک دیوبند جو اہل السنۃ والجماعۃ کی صحیح ترجمانی ہے اس سے سامعین کو باخبر کرنا اور باطل وگمراہ فرقوں کا صرف رد نہیں بلکہ پرزور رد کرنا۔

وعظ ونصیحت میں معمول

حضرت رحمہ اللہ کی جس دن انڈیا سے برطانیہ ہماری مسجد آمد ہوتی کبھی اسی دن سے اگر آمد نماز ظہر سے پہلے ہوئی ہوتی اور اکثر آمد کے دوسرے روز سے ہماری مسجد (مسجد قبا) میں وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع ہوجاتا، رمضان المبارک کی آمد تک روزانہ صرف ایک وعظ ہوتا، ہاں! البتہ بروز جمعہ دو بیان ہوتے ایک بیان نماز جمعہ سے پہلے دوسرا بیان شام یا رات میں ہوتا جیسا جیسا موقع ہوتا اس کے حسب حال۔

نماز فجر اور اس کے بعد کا معمول

حضرت رحمۃ اللہ نماز فجر سے پہلے کی دو رکعت سنت نماز عام طور مسجد میں آکر ہی ادا کرتے، سبھی نمازیں پہلی صف میں ادا فرماتے، پہلی صف میں عام طور پر آپ مکبر کے پڑوس میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب کھڑے ہوکر ادا فرماتے، نماز فجر سے فراغت پر تین مرتبہ قدرے آواز سے "استغفر اللہ،، کہتے، اس کے بعد سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں پر اور کبھی دونوں ہاتھ کی انگلیوں کے پوروں پر "تسبیحات فقراء،، کا نصاب (سو کا عدد، سینکڑہ) مکمل کرتے، اخیری تین سفر میں یہ معمول بھی رہا کہ آپ ہر فرض نماز سے فراغت پر تین مرتبہ "استغفر اللہ،، کہتے اس کے بعد "آیۃ الکرسی،، قدرے زور سے تلاوت کرتے آیۃ الکرسی کے پڑھنے کا آپ کا ایک خاص طریقہ تھا جو آپ نے ایک بیان میں ذکر بھی کیا تھا مگر وہ مجھے بعینہ یاد نہیں ہے، آیۃ الکرسی سے فراغت پر اپنے پورے بدن پر دم کرتے تھے، ہم لوگ جس طرح دم کرتے ہیں حضرت اس طرح دم نہیں کرتے تھے جب آپ دونوں ہاتھوں پر پھونکتے (دم کرتے) تھے تو اس وقت اچھی خاصی آواز پیدا ہوتی تھی اور دم کرتے وقت کچھ تھوک کے ذرات بھی ظاہر ہوتے تھے، اس کے بعد تسبیحات فقراء کا نصاب مکمل کرتے (حضرت رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ نماز کے بعد کی تسبیحات کو لوگ "تسبیح فاطمی یا تسبیحات فاطمی،، کہتے ہیں، نماز کے بعد کی تسبیحات کا نام تسبیحات فاطمی نہیں بلکہ تسبیح فقراء ہے، سونے سے پہلے جو تسبیح پڑھی جاتی ہے جس کے پڑھنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تلقین کی تھی جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جسمانی کمزوری کی وجہ سے گھر کے کام کاج کے لئے خادم طلب

کرنے آئی تھی (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جو بھی سونے سے پہلے ان تسبیحات کے پڑھنے کا معمول بنالے گا اس کو دن بھر کے کام کاج میں تھکان محسوس نہیں ہوگی) نماز کے بعد کی جو تسبیح ہے یہ وہ تسبیح ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب صحابہ کو پڑھنے کی تلقین کی تھی اس لئے اس کا صحیح نام تسبیحات فاطمی نہیں بلکہ "تسبیح فقراء،، ہے) تسبیحات سے فراغت پر آپ کا دوامی معمول ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا تھا، دعا سے فراغت پر کچھ دیر اسی جگہ بیٹھے رہتے اور پھر وہاں سے اٹھ کر سیدھے اپنی آرام گاہ پر تشریف لے جاتے، شمع کے پیچھے کچھ پروانے بھی آپ کے ساتھ ہو لیتے، کبھی کوئی صاحب حالات حاضرہ کے تعلق سے کوئی بات سناتے حضرت اس کو غور سے سنتے اور کبھی اس پر کچھ تبصرہ بھی کرتے، ورنہ یہ مجلس بھی علمی مجلس ہی ہوتی تھی آپ سے اس نشست میں کوئی علمی سوال کیا جاتا آپ اس کا جواب مرحمت فرماتے، اور ایسا بھی ہوتا اس نشست میں کہ آپ اپنے طور پر کوئی بات کہتے، کچھ دیر بعد یہ مجلس ختم ہوجاتی، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مجلس کا دورانیہ طویل ہوجاتا تو حضرت رحمہ اللہ خود ہی فرماتے کہ ٹھیک ہے بھائی! اب آپ لوگ بھی جاؤ اپنے اپنے گھر میں بھی کچھ دیر آرام کرلیتا ہوں۔

ایک ایسا عمل جس کا کسی رمضان المبارک میں ناغہ نہیں ہوا

حضرت رحمہ اللہ کی جب بھی رمضان المبارک میں ہماری مسجد تشریف آوری ہوتی، آپ تراویح اور وتر کی نماز سے فراغت پر اپنے کمرہ میں جا کر پان چباتے، اس کے بعد پھر مسجد کے صحن میں سوال و جواب کی ایک عمومی مجلس ہوتی، احقر جب مسجد ہذا میں امام بن کر آیا اس وقت موسم سرما میں رمضان المبارک تھا، راتیں طویل ہوتیں تو

اس وقت یہ مجلس روزانہ منعقد ہوتی تھی، پھر جب رات کا دورانیہ چھوٹا ہونے لگا تو یہ مجلس کبھی ہفتہ میں دو مرتبہ تو کبھی تین مرتبہ منعقد ہونے لگی، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سوال وجواب کی نشست کا یہ سلسلہ حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی ہماری مسجد آمد ہوئی ہو اور بالکل موقوف رہا ہو۔

اس کا فائدہ نقد ہے

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی خود بھی یہ چاہت ہوتی تھی کہ مسائل کی یہ مجلس منعقد ہو، وجہ اس کی یہ بیان کرتے تھے کہ میں جو تقریر کرتا ہوں وہ بھی فائدہ سے خالی نہیں لیکن اس میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے جو موضوع مناسب معلوم ہوتا ہے میں اس پر کلام کرتا ہوں، اس سوال وجواب کی مجلس میں یہ ہوتا ہے کہ سامعین کے دماغ میں جو سوالات ہوتے ہیں وہ اس کو پوچھ سکتے ہیں اور اس طرح اس مجلس کا فائدہ نقد اور ہاتھ در ہاتھ ہوتا ہے، ہر آدمی اپنے دامن میں کچھ نہ کچھ لے کر لوٹتا ہے۔

چاہت

اس کے علاوہ فجر، ظہر، اور مغرب کی نماز کے بعد بھی کچھ حضرات حضرت کے کمرہ میں حاضری دیتے اور حضرت سے علمی سوال کرتے تھے، آپ اس بات کا بالکل برا نہیں مناتے تھے کہ وقت بے وقت میرے کمرہ میں آکر مجھے disturb کرتے رہتے ہو بلکہ جب بھی آپ سے علمی سوالات کئے جاتے آپ کی طبیعت کھل اٹھتی اور چہرے سے خوشی کے آثار ظاہر ہوتے، نیز بعض مرتبہ فرماتے کہ میں تو انڈیا سے اتنا لمبا سفر کر کے یہاں آیا ہی اس لئے ہوں کہ آپ لوگ مجھ سے علمی فائدہ اٹھاؤ، اس لئے تم لوگ مجھ سے جتنا زیادہ سے زیادہ علمی فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھاؤ، اگر میں حضرت کے ہو بہو

الفاظ ذکر کروں تو وہ یہ تھے کہ میرا جتنا use کرسکتے use کرو۔




اس سوال کو رات کی مجلس میں بھی پوچھا جائے

ظہر کی نماز کے بعد جو مجلس ہوتی تھی اس میں اگر خاموشی کا دورانیہ طویل ہوجاتا تو فرماتے کہ امام صاحب! آج کوئی سوال نہیں ہے کیا؟ پوچھو کچھ پوچھو، اور کبھی کوئی سوال حضرت کو پسند آتا تو مجھ سے کہتے کہ اس سوال کو رات کی مجلس میں دوبارہ پوچھا جائے۔




مجلس کا آنکھوں دیکھا حال

رات کو جو مسائل کی عمومی مجلس منعقد ہوتی تھی اس کا طریقۂ کار یہ ہوتا کہ سائل اپنا سوال ایک پرچی میں لکھ کر کچھ حضرات مخصوص تھے ان تک مجلس منعقد ہونے سے پہلے پہنچادیتا، مجلس کے انعقاد سے پہلے وہ سوالات حضرت کو سنا دیئے جاتے، پھر جب مجلس کا انعقاد ہوتا اس میں حضرت اس کے جوابات دیتے تھے جواب سے پہلے سوال بھی دوہرایا جاتا تھا، ایک طریق تو یہ تھا، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ دوران مجلس ہی سائل اپنا سوال لکھ کر جو صاحب حضرت کو سوال پڑھ کر سناتے ان تک سوال کی پرچی پہنچادیتا، اور تیسرا طریق یہ تھا کہ مجلس میں موجود کوئی صاحب اسی وقت زبانی سوال کرتے، حضرت کو وہ سوال سنایا جاتا، حضرت اس کا جواب عنایت فرماتے، حضرتؒ کو جو حضرات سوالات پڑھ کر سناتے تھے ان کے اسماء گرامی اس طرح ہیں:

(۱) حضرت مولانا اسماعیل صاحب سیدیوت دامت برکاتہم (۲) مولانا عرفان سیدیوت (۳) حافظ عبدالرحیم ملا (راوت) (۴) فاروق بھائی بھام (۵) یوسف بھائی

دانا(۶) بعض مرتبہ احقر کو بھی یہ سعادت میسر آئی ہے۔

اخیری کچھ سالوں میں یہ ترتیب بھی رہی کہ حضرت جو جواب اردو زبان میں بیان کرتے اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں مولانا عرفان سید یوت کرتے تھے۔



اصول وضوابط



مجلس ہذا کو لے کر حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کے کچھ اصول وضوابط بھی تھے جس کا مختصر خلاصہ اس طرح ہے۔

(۱) فرماتے کہ مجھ سے تین طرح کے سوال نہ پوچھے جائے، جس کا تعلق خاص طور سے برطانیہ سے ہے، میں اس کا جواب نہیں دیتا

[۱] اوقات نماز کا مسئلہ [۲] چاند کا مسئلہ [۳] مورگیج mortgage کا مسئلہ



پہلی ملاقات

حضرت رحمہ اللہ سے احقر کی سب سے پہلی ملاقات ہماری مسجد، مسجد قبا، اسٹامفورڈ ہل، لندن میں رمضان المبارک ۲۴۲۴ھ میں ہوئی، مسجد قبا میں بطور امام میرا تقرر ۲۸ شعبان ۱۴۲۴ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۳ء بروز جمعہ عمل میں آیا، اس سال پورے رمضان المبارک کے لئے حضرت رحمہ اللہ کی ہماری مسجد آمد ہوئی تھی، حضرتؒ نے پہلی ملاقات میں سب سے اول میرا نام پوچھا، اس کے بعد گاؤں کا نام پوچھا، گاؤں کا نام بتانے پر فرمایا کہ اچھا! مفتی لاجپوری کے گاؤں سے ہو، اگلا سوال تھا دینی تعلیم کون سے ادارہ سے حاصل کی ہے، جواب تھا دارالعلوم اشرفیہ، راندیر بندہ نے یہ بھی عرض کیا کہ آپ کے بھائی جان حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب پالن پوری اور صاحبزادے مولانا حسین صاحب سے بھی میں نے پڑھا ہے، دونوں حضرات میرے استاذ ہیں، اس پر فرمایا اچھی بات ہے۔

انمول تحفہ

رمضان میں اور حفاظ کے ساتھ میں بھی تراویح سنارہا تھا، ایک روز حضرتؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ یہ جو حفاظ تراویح سناتے ہیں ان کو تراویح پڑھانے کی اجرت دینا تو جائز نہیں ہے، لیکن میرے بھائیوں! غور کرو کہ یہ حفاظ پورا دن قرآن کریم یاد کرتے ہیں اور پھر تراویح میں ہمیں سناتے ہیں، ہمارا بھی اخلاقی فرض بنتا ہے کہ ان حفاظ کو ہم اپنی طرف سے بطور "نذرانہ"، کچھ رقم پیش کرے، اس طرح دینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ دینا چاہئے، اور حضرت نے خود بھی ختم تراویح پر مجھے اپنے جیب خاص سے بیس (۲۰) پاؤنڈ عنایت فرمائے تھے۔

لقمہ

رمضان المبارک میں ایک دن فجر کی نماز میں احقر نے سورۂ ذاریات،، تلاوت کی اس میں ایک جگہ غلطی لگ گئی، حضرت رحمۃ اللہ نے لقمہ دیا میں نے اپنی موجودگی میں کسی بھی نماز میں ہماری مسجد میں اس سے پہلے اور نہ ہی اس کے بعد امام کے قراءت میں غلطی لگنے پر حضرت رحمۃ اللہ کو لقمہ دیتے نہیں دیکھا۔

اس طرح قراءت پسندیدہ نہیں ہے

ایک دن میں نے نماز فجر میں سورۂ "مزمل،، تلاوت کی اور اس کی آخری آیت "وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ وقف کردیا، اور اگلا ٹکڑا "هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا، کو اگلے سانس میں پڑھا، نماز کے بعد تخلیہ میں مجھ سے فرمایا کہ اس طرح قراءت پسندیدہ نہیں ہے، لفظ "عِندَ اللَّهِ، پر وقف نہیں کرنا چاہئے، اور اگر سانس ٹوٹ جائے تو واپس پیچھے سے ملا کر پڑھنا چاہئے، "هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا" سے نہیں۔

معنی کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے "سلم،، پر وقف کرنا

ایک روز نماز عشا میں احقر نے سورۂ "قدر،، کی تلاوت کی، اور "من کل امر،، پر وقف کیا،، بعد میں تخلیہ میں فرمایا کہ "من کل امر،، پر بھی وقف کر سکتے ہیں مگر معنی کے اعتبار سے زیادہ بہتر "سلم،، پر وقف کرنا ہے۔

رکوع کا نشان صحیح جگہ نہیں لگا ہے

نماز تراویح میں احقر نے سورۂ "واقعہ،، کے پہلے رکوع میں جہاں پر رکوع کا نشان لگا ہے یعنی "لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ" پر رکوع کیا، اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ پورے قرآن کریم میں یہی ایک جگہ ہے جہاں رکوع کا نشان صحیح جگہ نہیں لگا ہے، معنی کے

اعتبار سے مضمون بعد والی دو آیت پر پورا ہوتا ہے" ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝٣٩ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝٤٠"، پر آئندہ اس بات کا خیال رکھنا۔

(اضافہ: حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں ہے کہ جو رکوع قرآن شریف میں جگہ جگہ لکھدیئے گئے ہیں، یہ بزرگوں کا صرف عمل ہے کہ جہاں انہوں نے رکوع کردیا تبعین نے وہیں رکوع بنادیا، یہ رکوع کسی نص سے ثابت نہیں، نیز فرمایا کہ سورۂ واقعہ کا پہلا رکوع بے محل لگا ہے، مگر خیر امت کے خلف نے بزرگوں کے تعامل کی بھی بہت حفاظت کی ہے، ورنہ پھر نئی نئی باتیں نکالنے کی جرأت ہوتی۔



سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے



نماز کی امامت میں احقر سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت بھی اسی طرح ہوتی تھی کہ آپ سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرتے تھے، نیز فرمایا کہ دو تین سانسوں میں پوری سورۂ فاتحہ پڑھ لینا یہ ٹھیک نہیں، کبھی جلدی ہو تو کوئی بات نہیں، باقی اگر جلدی نہ ہو تو تنہا پڑھے یا جماعت سے ہر آیت پر ٹھہرنا چاہئے۔

(اضافہ: فتاوی رحیمیہ ج ۵ ص ۱۰۲ پر ہے، افضل یہی ہے کہ سورۂ فاتحہ ترتیلاً پڑھی جائے عوام اور تخفیف کا لحاظ کرتے ہوئے کبھی کبھی دو تین سانس میں پڑھے تو مضائقہ نہیں، لیکن اس کی عادت نہ بنائے، تراویح میں بھی سورۂ فاتحہ اسی طرح پڑھے لیکن تراویح میں تخفیف اور عوام کا لحاظ کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ کو دو تین سانس میں پڑھنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ صاف پڑھے کہ مقتدی سمجھ سکیں) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ

اپنی تفسیر "ہدایت القرآن جلد چہارم،، میں تحریر فرماتے ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں کے ساتھ پڑھنا چاہئے، حضور اقدس ﷺ بھی سورۂ فاتحہ کو سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف دو وقفوں میں یا تین وقفوں میں پوری سورت ختم کردیں یعنی الحمد للہ سے لے کر نستعین تک ایک سانس میں اور اھدنا سے آخر تک دوسرے سانس میں یا الحمد نستعین تک ایک سانس میں اور اھدنا سے آخر تک دوسرے سانس میں یا الحمد سے لے کر یوم الدین تک ایک سانس میں اور ایاك نعبد و ایاك نستعین دوسرے سانس میں اور اھدنا سے لے کر ولا الضالین تک تیسرے سانس میں جیسا کہ آج کل قراء ت کا عام طریقہ چل پڑا ہے، حضرت ام سلمہ ؓ نے آیتیں الگ الگ پڑھ کر لوگوں کو بتلایا کہ اس طرح حضور ﷺ ہر آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔

غور کیا جائے تو سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی طریقہ بھی یہی ہے، سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے، جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس کی مدح وثنا کر کے مطلب عرض کرتا ہے تو وہ ایسا بالکل نہیں کرتا کہ ایک مقرر کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کردے، اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے بلکہ طلب و نیاز کے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہتا ہے مثلاً کہے گا آپ فیاض ہیں! آپ کریم ہیں! آپ کی سخاوت کی دھوم ہے! اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ سائل ان میں سے ہر بول دوسرے بول سے الگ الگ کر کے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا، بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ بہ اعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے اور بات ایک ہی جملے میں پوری نہیں ہوجاتی لیکن وقف و

اتصال کے لئے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے، طرز خطاب کا ادا شناس جانتا ہے کہ زورِ کلام اور حسنِ تخاطب کے لئے کہاں وقفہ کرنا چاہئے کہاں نہیں کرنا چاہئے۔

پان

نادرہ برگے چو گل در بوستاں
خوب ترین نعمت ہندوستاں

(امیر خسرو)

پان وہ دولت ہے جس کی محبت بالخصوص اللہ والوں کے دلوں میں فطرتاً ڈال دی گئی ہے، پان کی یہ کرامت مشاہدے میں ہے کہ کسی بھی مضمون یا کتاب کو سمجھنے، یا مشکل مسئلے کو حل کرنے، یا پیچیدہ موضوع سلجھانے کے لئے پان سے زیادہ موثر معجون آج تک دریافت نہ ہو سکا ہے، پان تصنیف و تالیف میں معاون، ترتیب و تدوین میں ساجھی، ترجمہ و تحقیق میں ایک عظیم و تازہ دم شہسوار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اگالدان

حضرت رَحِمَهُ اللّٰهُ نہ صرف پان چباتے تھے بلکہ پان کے عاشق تھے، پان حضرت بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے، رمضان المبارک میں افطار کے بعد نماز سے پہلے جو تھوڑا سا وقفہ ہوتا ہے اس میں بھی چھوٹا سا پان چباتے تھے، اسی طرح کھانے سے فراغت پر، عشاء کی نماز میں جانے سے پہلے، تراویح سے فراغت پر، اور فقہی مسائل کی مجلس میں شرکت کے وقت اور دوران مجلس بھی پان چباتے تھے، یہ فقہی مجلس مسجد کے بیرونی حصہ (صحن) میں ہوتی تھی، جو بھی پان کھانے کا عادی ہو اس کے لئے اگالدان کی ضرورت رہتی ہے پیک ڈالنے کے لئے (منہ میں جمع شدہ مواد تھوکنے

کے لئے) آپ اپنا اگالدان خود بناتے تھے یا حاضرین میں سے جو کوئی اس عمل سے واقف ہوتا وہ بنالیتا تھا اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ پلاسٹک کا ایک گلاس لیتے اور اس میں باریک چھوٹے سائز کے ایک ، دو ٹیسو پیپر رکھ دیتے اور پھر اس میں تھوکتے تھے۔



پان کھاتا نہیں، تھوکتا ہوں



ویسے تو پان کے لئے لفظ استعمال ہوتا ہے" پان چبانا،، مگر حضرت رحمہ اللہ اپنے لئے لفظ استعمال فرماتے تھے" پان تھوکنا،، اس پر یاد آیا، ایک مرتبہ ظہر کی نماز کے بعد حاجی عثمان چچا کاپڑیا مرحوم حضرت سے ملاقات کے لئے حضرت کے کمرہ میں تشریف لائے، بڑی عمر کے شخص تھے، جب وہ کمرہ میں داخل ہوئے حضرت رحمہ اللہ اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر حضرت رحمہ اللہ اٹھ کھڑے ہوئے، میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ جب بھی کوئی بڑی عمر کا آدمی آپ سے ملنے کے لئے کمرہ میں آتا اور آپ بیٹھے ہوتے تو آنے والے کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کو اپنے ساتھ اپنے بستر پر بٹھاتے، اور کبھی یہ کرتے کہ آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے اور ان کو اپنے ساتھ اپنے بستر پر بٹھاتے تھے، دیگر حاضرین زمین پر بیٹھے ہوئے ہوتے، ویسے جب تک صحت اچھی تھی خود بھی حاضرین کے ساتھ زمین پر ہی بیٹھتے تھے۔

خیر، حضرت رحمہ اللہ نے حاجی صاحب رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ بستر پر بٹھایا، حضرت رحمہ اللہ اس وقت پان چبا رہے تھے، یہ دیکھ کر حاجی صاحب نے حضرت رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت! تمباکو کھانا صحت کے لئے مضر ہے، اس پر حضرت رحمہ اللہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ حاجی صاحب! آپ کو غلط فہمی ہے میں "پان کھاتا نہیں، تھوکتا ہوں،،

تمباکو کے استعمال کا شرعی حکم

اور پھر تمباکو کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے اس پر مختصر کلام کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ عرب علماء تو تمباکو کو نشہ آور قرار دیتے ہیں اور حرام کہتے ہیں، ایشیا کے علماء یعنی انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش، اور افغانستان کے علماء کہتے ہیں کہ تمباکو میں نشہ نہیں ہے۔

نشہ کی کیا تعریف ہے؟ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ چیز جس کی زیادہ مقدار پینے سے، یا کھانے سے آدمی بے ہوش ہوجائے، آسمان کونسا ہے، زمین کونسی ہے اس کو پہچان نہ سکے، ماں کونسی ہے، بیوی کونسی ہے اس کو پہچان نہ سکے، اس کا نام نشہ ہے، تمباکو میں یہ کیفیت نہیں ہوتی، زیادہ پیئے گے تو طبیعت متلائے گی، قے ہوجائے گی لیکن ہوش ختم ہوجائے، بے بھان ہوجائے ایسا نہیں ہوتا، پھر تمباکو میں ہے کیا؟ ”حدت،، ہے، تیزی ہے جو عادی نہیں ہے وہ کھائے گا تو سر چکرائے گا، آسمان زمین گھومے گا، اور جو عادی ہے وہ عادت سے زیادہ کھالے گا تو ہچکی آئے گی، قے ہوجائے گی، مگر اس سے نشہ نہیں چڑھتا ہے، ماں، بہن کو نہ پہچان سکے، یہ کیفیت اس میں نہیں ہوتی ہے، تو ایشیا کے علماء کے نزدیک تمباکو میں نشہ نہیں ہے، اور عرب علماء کے نزدیک نشہ ہے، تو ان کا فتوی اور ہے، ایشیا کے علماء کا فتوی اور ہے، ایشیا کے علماء کے نزدیک نشہ تو نہیں ہے پھر اس کا کیا حکم ہے؟

وہ شکلیں جس میں تمباکو مضر ہے تو بقدر ضرر مکروہ ہے، جیسے مٹی کھانا حرام ہے، تو مٹی کھانا حرام اس لئے ہے کہ اس سے ضرر پہنچتا ہے، جو بچے بچپن میں مٹی کھاتے ہیں ان کی صحت ہمیشہ کے لئے خراب ہوجاتی ہے، جو عورتیں حالت حمل میں مٹی کھاتی ہے، ہمارے یہاں انڈیا میں چنے کی دوکان پر پکی ہوئی مٹی ملتی ہے، تو جو عورتیں حالت حمل

میں مٹی کھاتی ہے اس کا اثر اس کے بچے پر پڑتا ہے،اسی طرح سموکنگ smoking (بیڑی،سگریٹ پینا) اس میں چونکہ گرم گرم دھواں پھیپھڑے میں جاتا ہے وہ پھیپھڑے کو نقصان پہچاتا ہے،اسی طرح تمبا کو پان میں یا نسوار کے طور پر کھانا یعنی اس کا جو تھوک ہے اس کا نگل کر پیٹ میں لے جانا یہ مکروہ تحریمی ہے،اور آپ نسوار گلے سے نیچے نہ جانے دے تھوکتے رہے،تھوکتے رہے،تمبا کو والا پان منہ میں نہ جانے دے تھوکتے رہے،تھوکتے رہے تو یہ جائز ہے،مباح ہے،اور حقہ بھی مباح ہے چونکہ اس میں دھواں نیچے آکر پانی میں ریفائن refine ہو کر پھر منہ میں آتا ہے،لہذا حقہ جائز ہے،پان تھوکنا جائز ہے،نسوار تھوکنا جائز ہے،سموکنگ،پان کھانا،نسوار کھانا مکروہ تحریمی ہے۔

وہ معلوم نہیں اس کا استعمال کس کس چیز میں کرے گی

ایک مرتبہ سنایا کہ: میں جب راندیر میں تھا تو فجر کی اذان کے بعد تفریح کے لئے نکلتا تھا،گھر میں پاندان تھا،مگر راستہ میں ایک ہندو کی پان کی دوکان کھل جاتی تھی،اس لئے ہمیشہ اس کے یہاں سے پان کھا کر آگے بڑھتا تھا،ایک دن میں نے بہت دور سے دیکھا،ایک گائے دوکان کے سامنے سے گذری،دوکاندار ایک لٹیا لے کر اترا اور گائے کے پیچھے کچھ بٹن دبایا،اس نے پیشاب شروع کیا،دوکاندار نے وہ پیشاب لٹیا میں لیا اور کچھ چونے میں ڈالا اور کچھ کتھے میں اور باقی دوکان میں چھڑکا،اس دن سے میں کسی ہندو کی دوکان سے لکویڈ liquid نہیں کھاتا،کیونکہ جس قوم کے نزدیک گائے کا پیشاب تبرک ہے،وہ معلوم نہیں اس کا استعمال کس کس چیز میں کرے گی۔

کھانے کا معمول

حضرت رحمۃ اللہ کی برطانیہ آمد سے پہلے ہی آپ کے روزانہ دوپہر اور رات کا کھانا کس کے گھر ہوگا یا کس کے گھر سے پک کر آئے گا یہ طے ہوجاتا تھا، آپ کا معمول اس میں یہ تھا کہ رمضان المبارک کی آمد تک آپ جس صاحب کے گھر دعوت ہوتی اس کے گھر جاکر کھانا تناول فرماتے، رمضان المبارک میں آپ کا معمول یہ ہوتا کہ سحری اور افطار دونوں وقت کا کھانا مسجد میں تناول فرماتے، جس دن برطانیہ آمد ہوتی عام طور پر اس دن شام کا کھانا ہماری مسجد کے سابق امام حضرت مولانا اسماعیل صاحب سدیوت دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر ہوتا تھا، کھانا آپ ہمیشہ فرش پر بیٹھ کر ہی تناول فرماتے، یہ معمول آپ کا اخیر تک رہا، علاقہ میں سب کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت ہمیشہ زمین پر بیٹھ کر ہی کھانا تناول فرماتے ہیں اس لئے جس کسی کے گھر دعوت ہوتی وہاں اس کا لحاظ کیا جاتا تھا۔

کھانے کی اسلامی تہذیب

فرماتے تھے کہ کھانے کی اسلامی تہذیب یہ ہے کہ زمین پر صاف ستھرا دستر خوان بچھایا جائے اس پر کھانا رکھا جائے اور نیچے بیٹھ کر کھایا جائے، اور لوگ ایک ساتھ ایک برتن میں کھائیں، علحدہ علحدہ کھانا اسلامی طریقہ نہیں، اور دستر خوان بچھانے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کھانا گر جائے تو وہ ضائع نہ ہو، دستر خوان نہیں ہوگا اور کھانا زمین پر گرے گا تو وہ سارا یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہوجائے گا، اور صاف ستھرے دستر خوان پر گرے گا تو اس کو اٹھا کر کھالیا جائے گا، کھانا ضائع نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں دستر خوان پر کھانا رکھ کر کھانا سلیقہ مندی کی بات بھی ہے، کھانا ہاتھ

میں لے کر کھانا یا زمین پر رکھ کر کھانا بے تہذیبی ہے، اور علحدہ علحدہ پلیٹوں میں کھانا غیروں کا طریقہ ہے، حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا طریقہ ایک ساتھ کھانے کا تھا۔

ایک واقعہ

فرمایا کہ جب فخر الدین علی احمد رَحِمَهُ اللهُ ہندوستان کے صدر جمہوریہ تھے، دار العلوم دیوبند تشریف لائے تھے، میں اس زمانہ میں مدرس تھا، انہوں نے خود دار العلوم کو اطلاع دی تھی کہ وہ کھانا حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہ کے یہاں کھائیں گے، چنانچہ پولیس کھانے کا نظم و انتظام دیکھنے آئی کہ کہاں کھلایا جائے گا؟ کس طرح کھلایا جائے گا؟ کیا کھلایا جائے گا وغیرہ امور جاننے کے لئے پولیس افسر آئے، یہ ان کی ذمہ داری تھی، حضرت مدنی نے اپنی بیٹھک دکھائی کہ یہاں زمین پر کھلاؤں گا، پولیس والوں کو اعتراض ہوا کہ صدر جمہوریہ نیچے بیٹھ کر کیسے کھائے گا؟

حضرت مدنی رَحِمَهُ اللهُ نے فرمایا: میرے یہاں یہی انتظام ہے آپ صدر جمہوریہ کو اطلاع کر دیں وہ پسند نہ کریں تو میں معذرت خواہ ہوں، چنانچہ یہ بات دہلی پہنچائی گئی، وہاں سے جواب آیا کہ وہ جیسے کھلائیں ٹھیک ہے، پولیس پھر آئی کہ ہم کھانا چیک کریں گے، حضرت مدنی نے فرمایا: شوق سے، مگر چیک کرنے اتنے نہ آئیو کہ کھانا ختم ہو جائے، (وہ ہنس کر چلے گئے)

خیر صدر جمہوریہ آئے، مدرسہ نے ان کے استقبال میں جلسہ کیا، جلسہ کے بعد جب کھانے کے لئے چلے تو ہم اساتذہ بھی ساتھ تھے، جب بیٹھک پر پہنچے اور دستر خوان کا منظر دیکھا تو صدر صاحب نے یو، پی کے وزیر اعلی تیواری سے فرمایا:

تیواری جی! آیئے! آج ہماری تہذیب کے مطابق کھانا کھایئے" ہماری تہذیب یہ بہت اہم لفظ ہے،، اسلام اور مسلمانوں کی اپنی ایک تہذیب ہے، آج مسلمان اپنی تہذیب بھول گئے وہ کھڑے کھڑے بلکہ اب تو، بیٹھے، لیٹے اور ٹیک لگا کر کھاتے ہیں، یہ سب افراط وتفریط ہے، خوش عیش لوگ افراط میں مبتلا ہیں، وہ میز کرسی پر کھانے لگے تاکہ کھاتے وقت جھکنا نہ پڑے، اور گنوار ہر طرح کھالیتے ہیں، وہ دسترخوان بچھانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے، یہ سب اسلامی تہذیب نہیں، مسلمان کو سلیقہ مند ہونا چاہئے، اور اسلامی تہذیب کے مطابق کھانا کھانا چاہئے، میز ٹیبل پر کھانا رکھ کر کھانا اسلامی تہذیب نہیں۔

کھانے پینے کا معمول

حضرت رحمہ اللہ کا معمول کھانے میں یہ بھی تھا کہ دسترخوان پر کھانے کی کوئی نئی چیز دیکھتے تو حاضرین سے پوچھتے کہ یہ کیا چیز ہے، جب اس کے متعلق بتایا جاتا تو فرماتے کہ لاؤ ادھر، دیکھے کیا چیز ہے، برطانیہ میں مرغی کے ذبیحہ کو لیکر الگ الگ رائے پائی جاتی ہے، جہاں تک حضرت رحمہ اللہ کی بات ہے تو آپ کو میں نے ہمیشہ مرغی کا گوشت تناول فرماتے دیکھا ہے، اسی طرح گوشت اور سبزی بھی تناول فرماتے، البتہ چنے، کریلا اور ساگ کا سالن بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے، کھانے میں ایک معمول یہ بھی تھا کہ جس کسی کے گھر بھی دعوت ہوتی ان سے کبھی کسی خاص ڈیش یا اپنے من پسند کھانے کی فرمائش نہیں کرتے تھے، دسترخوان پر جو بھی حاضر ہوتا بلا تکلف کھالیتے تھے، کھانے کے دوران اور کبھی کھانے سے فراغت پر پانی یا جوس نوش فرماتے، فزی ڈرنک بہت ہی کم نوش فرماتے، عام طور پر چہار زانو بیٹھ کر کھانا تناول

فرماتے،آپ کے کھانے کی جو پلیٹ ہوتی اس میں خود سے ہی کھانا نکالنا پسند کرتے،کبھی کوئی آدمی آپ کی پلیٹ میں کھانے کی کوئی چیز اٹھا کر رکھتا تو کبھی تو اس عمل کو گوارا فرماتے اور کبھی منع کرتے کہ رہنے دو، مجھے جو چیز جتنی مقدار کھانی ہوگی میں خود نکال لوں گا،افطار کھجور سے کرتے،افطار کے بعد پانی کا ایک گلاس نوش فرماتے،اس کے بعد شربت یا جوس نوش فرماتے،ساتھ میں سموسہ یا بھجیا یا پیسٹری جو بھی ہوتا اس کو بھی تناول فرماتے،اپنے آخری سفر برطانیہ میں ایک سے زائد مرتبہ یہ بات بیان فرمائی کہ تم لوگ سال بھر کے سموسے ایک ساتھ بنا کر فریزر کر لیتے ہو،ارے جب کھانا ہے تازہ بنا کر کھاؤ اس کا ٹیسٹ بھی اچھا ہوتا ہے،اللہ تعالی ہمارے علاقہ کے ان تمام گھرانوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو حضرتؒ کے لئے آپ کی آمد پر کھانا پکا کر کھلاتے رہے، انہوں نے ہمیشہ حضرت رحمۃ اللہ کو شکر (ذیابیطس) کی بیماری تھی اس بات کو ملحوظ (دھیان) رکھ کر کھانا پکایا۔

گناہ بالذت، گناہ بے لذت نہیں

شکر پر یاد آیا،حضرت رحمۃ اللہ کھانے کے دوران بات چیت بھی فرماتے تھے،اور کبھی تو ایسے جملے اور فقرے استعمال کرتے کہ مجلس میں ہنسی کی لہر دوڑ جاتی، قاسم چچا جلال پوری کے گھر پر کھانے کی دعوت تھی، دستر خوان پر دو تین طرح کا میٹھا موجود تھا،حضرت رحمۃ اللہ ان میں سے ایک ہی ڈیش تناول کر رہے تھے،ایک صاحب نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت! یہ بھی میٹھا ہے(مطلب یہ تھا کہ اسے بھی کھائیے) حضرت رحمۃ اللہ کھانا نہیں چاہ رہے تھے،اس لئے فرمایا کہ میں گناہ تو کرتا ہوں مگر گناہ بالذت، گناہ بے لذت نہیں۔

جدائی

سلیم بھائی سید کے گھر دوپہر کے کھانے پر مدعو تھے، دستر خوان پر میٹھا بھی موجود تھا، حضرت کے سامنے میٹھا پیش کیا گیا، اس پر فرمایا کہ میں نے گذشتہ چند سالوں سے میٹھے سے "جدائی،، اختیار کرلی ہے۔

شکر بیماری نہیں یہ ایک کیفیت کا نام ہے

شکر (ذیابیطس) کے متعلق فرماتے تھے کہ لوگ اس کو بیماری کہتے ہیں، شکر بیماری نہیں یہ ایک کیفیت کا نام ہے۔

دایاں ہاتھ کھانے میں آلودہ ہوتو بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر پانی پی سکتے ہیں

حضرت رحمہ اللہ کھانا کھانے کے دوران جب ہاتھ آلودہ ہوتا تھا تو اگر پلاسٹک کا گلاس ہوتا تو اس کو پکڑنے کے لئے سیدھا ہاتھ استعمال فرماتے، اور اگر اسٹیل یا کانچ کا گلاس ہوتا تو الٹے (بائیں) ہاتھ سے گلاس کا پیٹ پکڑتے اور سیدھے (دائیں) ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت سے اور کبھی ہتھیلی کے آخری حصہ سے لگا کر پیتے۔

تحفۃ الالمعی میں اس تعلق سے حضرت رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ طالب علم ایک سوال کرتے ہیں کہ اگر دایاں ہاتھ کھانے میں آلودہ ہوتو بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑ کر پانی پی سکتے ہیں، یاڈونگے سے بائیں ہاتھ سے کھانا نکال سکتے ہیں؟

جواب یہ ہے کہ حدیث کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیز کے ساتھ راست بایاں ہاتھ نہ لگے، مگر بالواسطہ لگنا بھی ممنوع ہے، مسلم شریف میں نافع رحمہ اللہ کی روایت میں ہے "ولا یاخذ بھا ولا یعطی بھا، یعنی بائیں ہاتھ سے نہ لے، نہ

دے، مگر ممانعت میں اس کا دوسرا درجہ ہوگا، پس چاہئے کہ بائیں ہاتھ سے گلاس پکڑے اور دائیں ہتھیلی کی پشت سے یا ہتھیلی کے آخری حصہ سے لگا کر پیئے، یہ حیلہ ہے، اسی طرح دائیں ہاتھ سے کھانا نکالے اور ہاتھ آلودہ ہو تو چاٹ لے، لیکن اگر بائیں ہاتھ سے یہ کام کرے تو یہ اتنا برا نہیں جتنا راست دائیں ہاتھ سے کھانا برا ہے۔

(تحفۃ الالمعی ج ۵ ص ۱۴۹)



انگلیاں چاٹنے کی ترتیب کیا ہونی چاہئے؟



کھانے سے فراغت پر حضرت رحمہ اللہ انگلیاں چاٹ لیتے تھے، اس تعلق سے تحفۃ الالمعی میں ہے، فرمایا کہ کھانے کی سنتوں میں سے یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہوکر پہلے سب انگلیاں چاٹ لے، پھر ہاتھ دھوئے تا کہ انگلیوں پر لگا ہوا کھانا ضائع نہ ہو۔

نیز فرمایا کہ: طالب علم پوچھتے ہیں: انگلیاں چاٹنے کی ترتیب کیا ہونی چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ کوئی ترتیب وارد نہیں ہوئی، پس جس طرح چاہے چاٹے۔



کھانے کے بعد اللہ تعالی کی حمد کرنا مستحب ہے



کھانے سے فراغت پر حضرت رحمہ اللہ عام طور پر عربی دعا پڑھتے تھے البتہ کبھی کبھی فرماتے اللہ تیرا شکر ہے۔

اس تعلق سے تحفۃ الالمعی میں ہے فرمایا کہ: کھانے کے بعد اللہ تعالی کی حمد کرنا مستحب ہے، اور روایات میں حمد کے بہت سے جملے آئے ہیں، لیکن اگر کوئی صرف "الحمد للہ،، سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں یا اردو میں: اللہ تیرا شکر! کہہ لے تو اصل سنت ادا ہو جائے گی۔

فرض عین آ گیا!

ایک مرتبہ دستر خوان پر کریلا کا سالن تھا اس پر فرمایا کہ بولٹن (برطانیہ) میں ایک دعوت میں "کریلا"، سامنے آیا، میں نے رغبت سے کھایا، کیونکہ مجھے ذیابیطس ہے اور کریلا اس میں مفید ہے، پس پورے محلہ میں خبر پھیل گئی، اور اب ہر دعوت میں کریلا ضرور ہوتا تھا، حالانکہ کریلا پکانا ہر عورت نہیں جانتی، اب یہ کڑوا کھانا کیسے کھایا جائے، اور نہ کھائیں تو پکانے والوں کی دل شکنی ہو، چنانچہ میں مجبوراً زہر مار کرتا تھا، احباب نے اس کا نام "فرض عین"، رکھ دیا، دیکھتے ہی کہتے "فرض عین آ گیا!

اگر ضرورت ہو تو چھری سے گوشت اور پھل وغیرہ کاٹنا جائز ہے

حضرت کھانے میں ضرورت کے وقت چھری کانٹے کا بھی استعمال فرماتے تھے، اس تعلق سے تحفۃ الالمعی میں ہے فرمایا کہ: اگر ضرورت ہو تو چھری سے گوشت، ڈبل روٹی اور پھل وغیرہ کاٹنا جائز ہے، البتہ بے ضرورت چھری کا استعمال ممنوع ہے۔

یہاں لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں

بہت سے لوگ عام طور پر کھانے سے پہلے صرف ہاتھ دھوتے ہیں، منہ صاف نہیں کرتے، اس تعلق سے حضرت رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے فرمایا کہ: کھانے سے پہلے ہاتھ منہ عام طور پر میلے ہوتے ہیں، پس ان کو دھو کر کھایا جائے تو یہ نظافت کی بات بھی ہے اور اس میں بدن کی سلامتی بھی ہے، اور اگر ہاتھ منہ دھوئے بغیر کھایا جائے گا تو سارا میل پیٹ میں جائے گا جو جسم کے لئے مضر ہوگا، یہاں لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں:

ایک: ہاتھوں پر پانی ڈال لیتے ہیں اور میل گلا لیتے ہیں اور کھانا شروع کر دیتے ہیں یہ ہاتھ دھونا نہیں ہے، ہاتھ دھونا یہ ہے کہ خوب صاف ہاتھ دھوئے جائیں اور ضرورت ہو تو

صابن بھی استعمال کیا جائے، دوسری غلطی لوگ یہ کرتے ہیں کہ منہ نہیں دھوتے حالانکہ اکثر منہ بھی گندہ ہوتا ہے، پس اس کا خیال رکھ کر منہ بھی صاف کر لینا چاہئے، اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونے کا مقصد کھانے کی چکناہٹ اور بو زائل کرنا ہے، پس صابن کی ضرورت ہو تو اس کو استعمال کیا جائے یا کسی کپڑے سے ہاتھ پونچھ کر صاف کر دیئے جائیں۔

حضرت رحمہ اللہ کھانے سے فراغت پر بعض مرتبہ اپنے ہاتھ پہلے ٹسو پیپر سے صاف کرتے اور پھر پانی سے دھو لیتے تھے، ہاتھ دھوتے وقت صابن یا لیکویڈ کا استعمال بھی فرماتے تھے۔

کھانے کے درمیان پانی پینا کیسا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ سے ایک مرتبہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ کھانے کے درمیان پانی پینا کیسا ہے؟

فرمایا کہ کتابوں میں تو اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ پانی پینا چاہئے یا نہیں، البتہ کھانے کے بعد کی جو دعا ہے "الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا اس میں تو "وسقانا" (پینے) کا ذکر موجود ہے۔

مزاجِ سعیدی

جبر کا قہر کچھ بھی ہو پیتا نہیں
میں زمانے کی شرطوں پہ جیتا نہیں

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مزاج تھا کہ جس چیز کو حق سمجھتے تھے اس کا بر ملا اظہار کرتے تھے، اس میں کسی کے لعنت، ملامت اور ناراض ہو جانے کا ان کو کوئی ڈر نہیں ہوتا تھا۔

سوچ میں تبدیلی اور اس کی...........

حضرت رحمہ اللہ کی ہماری مسجد میں رمضان المبارک میں حاضری کا سلسلہ تقریباً ۱۹۹۰ء کے آس پاس سے شروع ہوتا ہے، ہماری مسجد کی انتظامیہ رمضان المبارک اور عیدین کے چاند میں سعودی عرب کی رؤیت ہلال کمیٹی جو فیصلہ سناتی ہے اس پر عمل کرتی ہے، حضرت رحمہ اللہ بھی تقریباً بیس سال تک جب بھی ہماری مسجد میں حاضری ہوئی اسی کے مطابق عمل کرتے رہے، پھر آپ کی سوچ تبدیل ہوئی، سوچ کی تبدیلی کی وجوہات کیا رہی اس کی تفصیل حضرت رحمہ اللہ کی تصنیفات میں موجود ہے۔

ایک اہم تقریر

ایک رمضان میں آپ سے درخواست کی گئی کہ رمضان اور عیدین کے مسئلہ میں سعودی عرب کی رؤیت ہلال کمیٹی جو فیصلہ صادر کرتی ہے (سناتی ہے) وہ تسلیم کرنا چاہئے یا نہیں، اس مسئلہ پر آپ بیان کرے، حضرت رحمہ اللہ اس پر راضی ہو گئے اس بات کی اطلاع ہمارے پڑوس کے علاقہ میں جو مساجد ہیں وہاں بھی کر دی گئی، چنانچہ وقت مقررہ پر قرب وجوار کے علاقہ سے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بیان سننے

کے لئے مسجد میں موجود تھی، تقریباً پورا ہال مسجد کا بھرا ہوا تھا، حضرت نے اس موضوع پر تفصیلی کلام کیا۔

خلاصۂ تقریر

پوری تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ سعودی عرب کی رؤیت ہلال کمیٹی جو فیصلہ صادر کرتی ہے اس سلسلہ میں جن باتوں کی رعایت ضروری ہے وہ اس کا لحاظ اور اہتمام نہیں کرتی، لہٰذا ان کا فیصلہ قابل اطمینان نہیں ہے، نیز یہ کہ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آسمان پر مطلع بالکل صاف ہے پورے سعودی عرب میں کہیں چاند نظر نہیں آتا سوائے ایک جگہ کے، اور وہ چاند بھی ہمیشہ دو تین گنے چنے افراد کو ہی دکھائی دیتا ہے، ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت رَحِمَہُ اللّٰہ نے پورا زور اس پر دیا کہ ہماری مسجد اور دوسری مساجد والے بھی اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے اور سعودی عرب کی رؤیت کو تسلیم کرنا چھوڑ دے۔

مسجد کی انتظامیہ عجیب کشمکش کا شکار ہوگئی

۲۹ رمضان المبارک کو سعودی عرب کی رؤیت ہلال کمیٹی نے اعلان کیا کہ آئندہ کل عید الفطر ہے، ہماری مسجد میں معمول یہ ہے کہ نماز مغرب سے فراغت کے کچھ دیر بعد مسجد کے مائک سے اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ آئندہ کل عید الفطر ہے، اب مسجد کی انتظامیہ نماز مغرب سے فراغت پر ایک عجیب کشمکش میں تھی کہ کیا کرے؟ عید الفطر کا اعلان کرے یا نہیں؟ کیونکہ لوگ عید الفطر کے اعلان کا تقاضہ کر رہے تھے اور حضرت کی رائے کچھ اور تھی، وقت دھیرے دھیرے گذرتا جارہا تھا، کچھ دیر غور وفکر کرنے بعد مسجد کی انتظامیہ کے تین چار افراد حضرتؒ کے کمرہ میں حضرت کے پاس گئے اور صورت حال سے حضرت کو آگاہ کیا کہ مسجد کے مصلی حضرات سعودی عرب

کی رؤیت پر اعتماد کرتے ہوئے آئندہ کل عید منانا چاہتے ہیں اب ہم کیا کریں؟ اس پر حضرت چند سیکنڈ خاموش رہے اور پھر یوں گویا ہوئے کہ آپ کی مرضی ہے آپ کو جو بھی کرنا ہے کرو، حضرت کا یہ جواب سن کر وہ حضرات کمرے سے باہر آئے اور مسجد کے مائک سے اعلان کر دیا کہ آئندہ کل عید الفطر ہے۔



اعلان کر دو، آج بیان نہیں ہوگا



عشا کی اذان ہوئی روزانہ تراویح کے بعد حضرتؒ کا بیان ہوتا تھا اور ہر سال عید الفطر کی رات میں بھی حضرت کا عشا کی نماز کے بعد بیان کا معمول تھا، معمول کے مطابق آج بھی نماز کے بعد حضرت کا بیان طے تھا، عشاء کی نماز کی امامت مجھے ہی کرانی تھی، حضرت نے عین نماز سے پہلے مجھ سے کہا کہ نماز کے بعد اعلان کر دینا کہ آج میرا بیان نہیں ہوگا، چنانچہ میں نے اعلان کر دیا، حضرت رَحِمَهُ اللهُ کا عام معمول سنت کی ادائیگی کا یہ تھا کہ جس جگہ حضرت فرض نماز ادا کرتے اسی جگہ سنت بھی ادا فرماتے، البتہ کبھی کبھی سنت کی ادائیگی کے لئے جگہ تبدیل کرتے تھے، مگر اس دن خلاف معمول بالکل محراب کے قریب جا کر سنت نماز ادا کی۔



مسجد عمر میں نماز عید میں شمولیت اور تقریر



رات کا ایک حصہ گزر جانے پر حضرت رَحِمَهُ اللهُ مسجد سے نکل کر لندن کے ایک دوسرے علاقہ میں مولانا ابراہیم افغانی کے پاس تشریف لے گئے، دوسرے دن آپ نے روزہ رکھا، سعودی عرب نے تو عید الفطر کا اعلان کر دیا تھا مگر ساؤتھ افریقہ اور مراکش میں تیسواں روزہ تھا، ہمارے پڑوس میں ایک علاقہ ہے walthamstow وہاں ایک مسجد ہے بنام "مسجد عمر"، ان کے ساتھ حضرت رَحِمَهُ اللهُ نے تیس روزے

پورے کر کے عید الفطر منائی اور عید الفطر کی نماز سے پہلے مسجد عمر میں آپ کی تقریر بھی ہوئی۔

وقفہ

حضرت واپس ہماری مسجد تشریف لے آئے اور اس کے بعد حضرت رَحِمَہُ اللّٰہ کے بیانات بھی ہوئے، مگر اس واقعہ کے بعد یہ ہوا کہ کچھ عرصہ ہماری مسجد میں آپ کی آمد کا سلسلہ رُک گیا۔









آخری رمضان

ہم ہیں قائم اصول پر اپنے
گردش صبح و شام اپنی جگہ

حضرت رحمۃ اللہ نے ۱۴۲۰ھ کا پورا رمضان ہماری مسجد میں گذارا تھا، سعودی عرب کی رؤیت ہلال کمیٹی نے ۲۹ رمضان المبارک کو اعلان کیا کے شوال کا چاند نظر آگیا ہے لہذا آئندہ کل عید الفطر منائی جائے گی، مسجد کی انتظامیہ نے بھی مسجد کے مائک سے اس بات کا اعلان کردیا، تھوڑی دیر بعد یکم شعبان کی نماز عشا ادا کی گئی، نماز کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ سنت سے فراغت پر نماز تراویح ادا فرمائیں گے، آٹھ، نو لوگوں نے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کے ساتھ نماز تراویح ادا فرمائی، جو لوگ نماز عشا میں شریک تھے ان میں سے کچھ لوگ تو نماز عشاء پڑھ کر گھر چلے گئے، اور کچھ لوگ مسجد کے صحن میں موجود تھے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ نے جیسے ہی نماز تراویح پڑھنا شروع کیا مسجد کے صحن میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کے اس عمل پر کچھ آوازیں بلند ہوئیں اور آپ کے اس عمل کو.........

خیر، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ اپنے فیصلے پر قائم رہے اور پوری نماز تراویح ادا کی، ظاہر ہے آپ نے آئندہ کل عید الفطر نہیں منائی، اس سال افریقہ اور مراکش میں ۲۹ رمضان المبارک کو چاند کی رؤیت نہیں ہوئی تھی، آپ نے اگلے دن روزہ رکھا اور عید الفطر walthamstow کی مسجد "مسجد عمر،، میں ادا کی، وہاں نماز عید سے پہلے آپ کا خطاب بھی ہوا، بعد ازاں آپ کا لیسٹر، باٹلی، ڈیوزبری، پریسٹن، بلیک برن، بولٹن، مانچسٹر وغیرہ کا سفر ہوا ہر جگہ پر وہاں کی مرکزی مسجد میں آپ کا خطاب ہوا،

تقریباً ہر خطاب میں آپ نے اس بات پر زور دیا کہ جو لوگ سعودی عرب کی رؤیت تسلیم کرتے ہیں یہ بوجوہ درست نہیں ہے، انڈیا سے واپسی سے پہلے پھر آپ کی مسجد قبا میں حاضری ہوئی اور بیانات بھی ہوئے، یہ آپ کی ہماری مسجد میں آخری حاضری تھی، الغرض آپ جس چیز کو صحیح سمجھتے اس پر ڈٹ جاتے تھے، چاہے لوگ آپ کی بات تسلیم کرے یا نہ کرے۔

ایک معمول

دوران تقریر جب کبھی سعودی عرب کے چاند کی رؤیت کا مسئلہ آجاتا (چھڑ جاتا) تو اس کے متعلق کھل کر اپنا موقف بیان کرتے تھے، البتہ مسجد میں نماز تراویح سے فراغت پر مسائل فقہ کی جو مجلس منعقد ہوتی تھی اس میں نہ آپ خود اس مسئلہ کو چھیڑتے تھے اور نہ ہی کوئی آدمی اس کے متعلق سوال کرتا تو اس کا جواب دیتے تھے، کوئی چاند کی رؤیت کے متعلق سوال کرتا تو فرماتے کہ میں تین باتوں (مسئلوں) کا جس کا خاص طور سے برطانیہ سے تعلق ہے جواب نہیں دیتا وہ تین مسئلے یہ ہیں

[۱] چاند کی رؤیت کا مسئلہ [۲] اوقات نماز کا مسئلہ [۳] مورگیج کا مسئلہ

نیز فرماتے کہ یہ تینوں مسئلے تم اپنے یہاں (برطانیہ) کے مقامی مفتی حضرات سے پوچھو۔

مسائل حل نہ ہونے کی وجہ

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ رمضان المبارک اور عیدین کے چاند کے مسئلے میں برطانیہ والے ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہوتے، اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آپ لوگوں

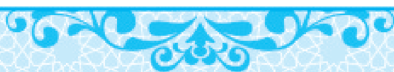
کو یہ مسئلہ حل کرنا ہی نہیں ہے، سب لوگوں نے اس کو اپنی ناک اور "انا،، کا مسئلہ بنالیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے یہاں (برطانیہ) میں سب بڑے ہیں، کوئی چھوٹا ہے ہی نہیں، چونکہ سب اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور سب بڑے ہو گئے ہیں اس لئے کوئی کسی کی سنتا اور مانتا ہی نہیں ہے، انڈیا کتنا بڑا ملک ہے وہاں یہ سب مسائل اس لئے نہیں ہے کہ وہاں چھوٹے، بڑے ہیں، چھوٹے چھوٹے ہیں، بڑے بڑے ہیں، کوئی ایسا مسئلہ پیش بھی آتا ہے تو بڑے جو بات کہتے ہیں چھوٹے ان کی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں۔



خطیب الامت رحمہ اللہ کا تجزیہ



(اضافہ۔ خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ الحمد للہ میں ابن بطوطہ سے کچھ کم دنیا نہیں گھما ہوں، مگر میں نے دینی بنیادوں پر جتنا اختلاف سرزمین برطانیہ میں دیکھا اتنا کہیں نہیں دیکھا، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہاں کی زمین ہی میں منا.........اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں "فرصت علی خان،، (مراد جو لوگ کام نہیں کرتے) کی کوئی کمی نہیں ہے، کام کرو تو بھی گھر چلتا ہے اور نہ کرو تو بھی دستخط میں اتنا پاور ہے کہ گذارے کے بقدر پیسہ مل جاتا ہے، اس لئے اب کوئی کام ہے نہیں تو ہر آدمی دینی مسئلے میں اپنی رائے رکھتا ہے کہ میری رائے میں فلاں مسئلہ ایسا ہے اور فلاں مسئلہ ویسا ہے، سب کی اپنی اپنی رائے ہیں، کوئی کسی کی سنتا ہی نہیں ہے، پھر فرماتے کہ ان مسائل کے حل کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کوڑے ہی دماغ درست کر سکتے ہیں)



تبلیغی جماعت کے تعلق سے حضرت رحمہ اللہ کی چند باتیں

وہ بے حد خوش نصیب افراد ہیں حضرت کی امت میں
جو مشغول ہیں آٹھوں پہر ملت کی خدمت میں
فضیلت ان کی یوں وارد ہیں ارشاد نبوت میں
رہے گی حق پہ قائم اک جماعت مری امت میں
نہ ہوگا ان کو خوف لومۃ لائم کا ذرہ بھر
ہے مقصد ان کا رونق پائے سنت جابجا گھر بہ گھر

(مولانا ابراہیم ڈایالاجپوری رحمہ اللہ)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مزاج تھا کہ جو بات حق سمجھتے اس کا برملا اظہار کرتے تھے، اس سلسلہ میں جو کچھ میں نے ہمارے یہاں اپنی مسجد میں دیکھا، سنا اس کا مختصر خلاصہ پیش خدمت ہے۔

ابھی تو یہ معاملہ وقتی طور پر قابو آ گیا ہے لیکن اگر..........

یہ بات اس وقت کی ہے جب جماعت دعوت وتبلیغ دو دھڑوں میں تقسیم نہیں ہوئی تھی، فرمایا کہ" کانپور،، سے پچیس (۲۵) علماء کرام کے دستخط کے ساتھ آپ کے دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء آیا ہے، جس میں دعوت وتبلیغ کے مرکز نظام الدین اور اس کے علاوہ دوسری بعض جگہوں پر کی گئی مولانا سعد صاحب کی بعض تقاریر کے بعض اجزاء کا ذکر کیا گیا ہے، جو بات انہوں نے بیان کی ہے وہ ہمارے اسلاف نے قرآن و حدیث کی جو تفسیر وتشریح بیان کی ہے اس سے ہٹ کر ہے اور بالکل نئی بات ہے، اس کا جواب دارالافتاء کے مفتیان کرام نے بہت سخت لکھا تھا، وہ استفتاء اور اس کا جواب

کانپور روانہ کرنے سے پہلے حضرت مہتمم صاحب (مراد مولانا ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم) نے مجھے دیا کہ تو اس کا جواب لکھ، چونکہ جواب بہت سخت تھا اگر وہ جواب کانپور بھیجد یا جاتا تو اندیشہ تھا کہ.........اس لئے میں نے اس کا نئے سرے سے جواب لکھا اور جواب میں میں نے بیچ کا راستہ اختیار کیا، اس جواب میں کچھ ترمیم کرکے اس کو کانپور بھیجد یا، پھر فرمایا کہ ابھی تو یہ معاملہ وقتی طور پر قابو آ گیا ہے لیکن اگر کام اسی روش پر آگے بڑھتا رہا تو اندیشہ ہے کہ جماعت دو دھڑوں میں تقسیم ہو جائے گی اور پھر کچھ سال بعد وہی ہوا جس کا ڈر حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ظاہر کیا تھا۔

اہل حق کا پہلے ایک ہی مرکز تھا مگر اب..........

فرمایا کہ اب تک انڈیا میں اہل حق کا ایک ہی مرکز تھا" دارالعلوم دیوبند،، سبھی اہل حق مسلمان مسائل میں اسی کی طرف رجوع کرتے تھے، حضرت جی مولانا الیاس صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ، حضرت مولانا یوسف صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کے دور میں بھی یہی ہوتا رہا، مگر اب دو مرکز ہو گئے ہیں (۱) دارالعلوم دیوبند (۲) نظام الدین۔

مرکز نے اپنی نئی تفسیر وتشریح شروع کردی ہے جو کہ غلط ہے

اب نظام الدین والے جو بھی مسئلہ پیش آتا ہے اسے کاشف العلوم (مرکز نظام الدین کے ساتھ جو دارالعلوم ہے) سے پوچھتے ہیں، نیز اب مرکز سے ہمارے اسلاف نے قرآن وحدیث کی جو تفسیر وتشریح کی ہے اس سے ہٹ کر اپنی نئی تفسیر و تشریح شروع کردی ہے جو کہ غلط ہے، پھر اس پر کچھ مثالیں پیش کیں:

(۱) یہ جو کیمرہ والے موبائل نکلے ہیں پوری دنیا کے اہل حق کا دار الافتاء اس کے جواز کا فتوی دیتا ہے، اور مرکز سے مولانا سعد صاحب کہتے ہیں کہ کیمرہ والا موبائل استعمال کرنا ناجائز ہے۔

(۲) سارے اہل حق کہتے ہیں کہ توبہ کے لئے تین شرائط ہیں (۱) گناہ کے کام کو چھوڑ دینا (۲) معصیت پر ندامت کا احساس (۳) اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم مگر مولانا سعد نے ایک چوتھی شرط لگائی ہے (۴) جماعت میں وقت لگانا۔



حافظ پٹیل صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات



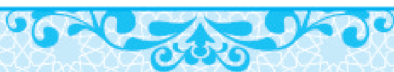
نیز فرمایا کہ میری یہ باتیں جہاں تک پہنچا سکتے ہو پہنچاؤ، جب یہ تقریر ہوئی اس وقت یو، کے و یورپ کے سابق امیر جماعت دعوت وتبلیغ حافظ پٹیل صاحب مرحوم بقید حیات تھے، آپ تک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا یہ پیغام پہنچا تو حافظ پٹیل صاحب مرحوم نے آپ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، اس پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں خود ہی آپ کے پاس حاضر ہوتا ہوں، چنانچہ رمضان المبارک ہی میں بذریعۂ کار ڈیوزبری پہنچے اور حافظ صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کی۔



اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے



رمضان المبارک کا مہینہ تھا، بلیک برن کی ایک جماعت کا قیام ہماری مسجد میں تھا، جماعت کے چند احباب نماز ظہر سے فراغت پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کے لئے حضرت رحمہ اللہ کے کمرے میں حاضری دی، حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں سے آئے ہیں، بتایا گیا، اس پر حضرت رحمہ اللہ



نے ہر ایک کے چہرے پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی، پھر فرمایا کہ ماشاء اللہ تم سب کے چہرے پر داڑھی موجود ہے، لباس تمہارا صالحین والا ہے، تم سب نمازی ہو، دین کے موٹے موٹے احکام سے واقف ہو، اب تم سب ایک جماعت لے کر نکلے ہو اور ایک بستی سے دوسری بستی گھوم رہے ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم میں سے ہر ایک جو لوگ دین سے دور ہے ان کو لے کر نکلتے انہیں دین کی موٹی موٹی باتیں سکھا کر پھر گھر لے آتے.......... غرض کچھ دیر تک ان کو نصیحت کرتے رہے۔

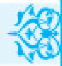


تم خود اس کا خیال نہیں کر رہے ہو



لندن کے ایک علاقہ سے ہماری مسجد میں ایک جماعت آئی ہوئی تھی، جماعت کا ایک ساتھی نماز ظہر سے فراغت پر دو رکعت سنت ادا کر کے ہاتھ میں کتاب لئے امام کے مصلی کے قریب کھڑا ہو گیا اور اعلان کیا کہ جو نمازی نماز سے فارغ ہو چکے ہو دوسرے نمازیوں کا خیال کرتے ہوئے قریب قریب تشریف لے آئے، حضرت رحمہ اللہ پہلی صف میں موجود تھے، اعلان سن کر اسے زور سے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم دوسروں سے کہہ رہے ہو کہ دوسرے نمازیوں کا خیال کرو اور تم خود اس کا خیال نہیں کر رہے ہو، دیکھو! یہ کچھ لوگ ابھی نماز پڑھ رہے ہیں اور تم ہو کہ بولے جا رہے ہو، بیٹھ جاؤ، جب یہ لوگ نماز سے فارغ ہو جائے تب اپنی کتابی تعلیم کرنا، چنانچہ وہ صاحب بیٹھ گئے، اور حضرت رحمہ اللہ بھی اپنی جگہ کچھ دیر تک بیٹھے رہے، جب آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تب اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں تشریف لے گئے، پھر کتابی تعلیم شروع ہوئی۔



دین کی باتیں اپنے کو محتاج سمجھ کر سننا چاہئے

ادب کی ضو سے روشن زندگی ہے
ادب گل ہے تو گلشن زندگی ہے
ادب سے زندگی جدا کیونکر ہو
ادب دل ہے تو دھڑکن زندگی ہے
از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب

حضرت رحمہ اللہ دوران تقریر اگر کوئی بندہ مجلس بیان میں نامناسب ہیئت میں بیٹھا ہوتا اسے برداشت نہیں کرتے تھے، یورپ اور ترقی یافتہ کہے جانے والے ممالک میں یہ ایک عام مرض ہے کہ کچھ لوگ بغیر کسی عذر کے مجلس بیان میں مسجد کی دیوار سے سہارا لے کر (ٹیک لگا کر) بیٹھ جاتے ہیں، اور اس مرض میں ہر عمر کا آدمی مبتلا نظر آتا ہے، اس تعلق سے حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جن کو واقعی کوئی عذر ہے کہ وہ دیر تک مجلس تقریر میں بغیر سہارے کے نہیں بیٹھ سکتے وہ تو معذور ہے وہ ضرور مسجد کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے، لیکن جن کو ایسا کوئی عذر نہیں ہے ان کا دینی محافل میں اس طرح بیٹھنا نامناسب عمل ہے، ان کو ٹیک لگا کر نہیں بیٹھنا چاہئے، دین کی باتیں اپنے کو محتاج سمجھ کر سننا چاہئے، حضرات صحابۂ کرام جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے تو ایسا لگتا تھا جیسے ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہوں، نیز فرماتے کہ جو آدمی بغیر کسی عذر کے مجلس بیان میں اس طرح دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے بعض مرتبہ پھر وہ واقعی ایسے کسی عذر میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ پھر وہ بغیر کسی چیز کا سہارا لئے دیر تک بیٹھ



نہیں سکتا۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست، شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(اضافہ: خطیب الامت حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی رَحِمَہُ اللّٰہُ بھی دوران تقریر کوئی بندہ مسجد کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتا اسے سخت ناپسند فرماتے تھے، اس عمل پر تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ تم لوگ مسجد میں ایسے بیٹھتے ہو جیسے پارلمینٹ میں بیٹھے ہوں، دینی مجلس میں ادب سے بیٹھنا چاہئے اور یہ کوئی ہمارا ادب نہیں ہے بلکہ قرآن وسنت کا ادب ہے، اور دین اپنے ماننے والوں سے اسی کا تقاضہ کرتا ہے کہ دینی باتوں کو باادب بیٹھ کر سنا جائے، نیز ایک تقریر میں فرمایا کہ یہ میں تمہیں آج آخری مرتبہ وارن (تنبیہ) کر رہا ہوں آئندہ سے کوئی اس طرح دیوار سے ٹیک لگائے پاؤں پھیلا کر (پاؤں لمبے کر کے) بیٹھا تو سن لو! بیان نہیں ہوگا، تم لوگوں نے دین کی باتوں کو بھاجی پالا (بے وقعت) سمجھ رکھا ہے، اور آنے والے مہمان کو دودھ دوہنے والی گائے سمجھ رکھا ہے کہ تم جب چاہو، جیسے چاہو، جتنا چاہو اس کو دوہتے رہو (اس کا استعمال کرتے رہو) اور اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم نے ٹکٹ دے کر بلایا تو گویا ہمیں خرید لیا ہے اس لئے جھک مار کر اسے بیان کرنا پڑے گا تو سن لو، ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست، شاید کہ پلنگ خفتہ باشد، میں تمہیں تمہارے ٹکٹ کے پیسے واپس کر کے اسی وقت چلا جاؤں گا، بیان اسی صورت ہوگا جب آپ لوگ دینی مجلس میں جو بیٹھنے کے آداب ہیں اسے بجالاؤ، اگر کسی کو میری بات بری لگی ہو تو گھر جا کر شوق سے ایک ٹانگ کی مرغی زیادہ توڑے، ویسے آپ لوگ باادب بیٹھ کر جتنا دینی فیض حاصل کرنا چاہو تو ہم حاضر ہے۔ (مفہوم)

صرف جان بچانے کو جھوٹ بولا تھا، مگر جان بچی نہیں

”آداب المعاشرت،، میں ص ۶۲ اور ص ۶۷ کے حاشیہ پر ہے کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب مجلس میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ان کو انتباہانہ نظروں سے دیکھا کہ یہ خود سمجھ جائیں، لیکن وہ سمجھے ہی نہیں، دوسری مرتبہ پھر دیکھا لیکن وہ پھر بھی نہیں سمجھے، اب حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ان سے پوچھا کہ آپ ٹیک لگائے کیوں بیٹھے ہیں، اگر آدمی کو گھر کی عقل نہ ہو تو دوسروں کو دیکھ کر ہی سمجھ لے، بھلا یہ تو بتلایئے یہاں اتنے آدمی بیٹھے ہیں کیا کوئی ٹیک لگائے بیٹھا ہے، آپ ہی کیوں ٹیک لگا کر بیٹھے ہیں، ان صاحب نے جواب دیا کہ میری کمر میں درد ہے، اس لئے ٹیک لگائے بیٹھا ہوں، حضرت نے ذرا دیر سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا بالکل جھوٹ بناتے ہو، اچھا یہاں سے اٹھ جایئے، وہ اٹھ گئے، مجلس کے ختم کے بعد جناب تاج خاں صاحب جلال آبادیؒ نے ان صاحب سے پوچھا کہ یار! اس وقت میں ہوں اور تم ہو اور خدا، دیکھو سچ بتانا تمہاری کمر میں درد تھا یا نہیں، ان صاحب نے جواب دیا کہ یار درد، ورد کہیں نہیں تھا، صرف جان بچانے کو جھوٹ بولا تھا، مگر جان بچی نہیں۔ (ملفوظات مسیح الامتؒ، ص ۸۷، بتغیر)

دینی مجلس میں شرکت کے آداب میں کوتاہی پر تنبیہ

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ مجلس بیان میں لوگ ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ رکھ کر بیٹھے ہوتے اس کو بھی ناپسند کرتے، فرماتے کہ دینی مجالس میں مل مل کر بیٹھنا چاہئے، دوران تقریر حضرت کے بالکل سامنے کوئی آدمی دونوں پاؤں کھڑے کر کے

پاؤں کو ہاتھوں کی گرفت میں لے کر بیٹھا ہوتا (جس کو اکڑوں بیٹھنا کہتے ہے) اس ہیئت کو بھی سخت ناپسند فرماتے، کبھی نرمی سے اور کبھی سخت لہجے میں فرماتے کہ تمہیں اتنا بھی سلیقہ نہیں کہ دینی مجلس میں کس طرح بیٹھنا چاہئے، بیٹھنا ہے تو صحیح ہیئت پر بیٹھو ورنہ......... آج سے تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے، ایک بندہ اسی ہیئت پر (اکڑوں) حضرت کے درس میں بیٹھا تھا، عصر کے بعد کی مجلس تھی، آپ مشکوۃ شریف کا درس دے رہے تھے، اس پر سخت غصہ ہوگئے اور یہ کہتے ہوئے درس سے اٹھ گئے کہ کتنی مرتبہ میں تم لوگوں کو بتا چکا ہوں کہ دینی مجالس میں بیٹھنے کے کیا آداب ہیں، تم لوگ اس کا لحاظ ہی نہیں کرتے، تو پھر مجھے بھی تمہیں درس دینے کا کوئی شوق نہیں ہے، یہ کہتے ہوئے اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے، جس بندہ کو ڈانٹ پلائی تھی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس نے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے عمل کی معافی مانگی، تو یہ کہتے ہوئے اسے معاف کر دیا کہ مجھے تمہاری ذات سے کوئی عداوت نہیں ہے مگر ہر مجلس کے کچھ آداب ہوا کرتے ہیں.........اور پھر اسے اپنے ساتھ اپنے پڑوس میں بٹھا کر افطار کرایا۔



مجلس میں اس طرح مت بیٹھا کرو



دو سال پہلے بھی ایسا ہی ہوا ایک نوجوان حضرت رحمہ اللہ کی مجلس میں اکڑوں بیٹھا تھا، اسے اس پر تنبیہ کی مگر دوسرے روز پھر وہی کیفیت، اس پر اسے ڈانٹ پلائی کہ کل گذشتہ بھی تم سے کہا تھا کہ مجلس میں اس طرح مت بیٹھا کرو اور پھر چند سکینڈ اسے غور سے دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہے، واقعی بات بھی ایسی ہی تھی، فرمایا کہ اس سے کہو کہ مجلس بیان میں مجھ

سے بالکل قریب نہ بیٹھا کرے، ذرا پیچھے ہوکر بیٹھے، اس طرح کوئی سامنے بیٹھا ہوتو تقریر کرتے ہوئے ذہن پر اثر پڑتا ہے۔





نعت گوئی انتہائی مشکل کام ہے

حضرت رحمۃ اللہ نے ایک مجلس میں فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ نعت گوئی انتہائی مشکل کام ہے، گویا تلوار کی دھار پر چلنا ہے، ذرا سا آگے بڑھے تو الوہیت کی حدود میں داخل ہوگئے اور ذرہ برابر بھی کمی کی تو تنقیص ہوگئی، گویا نعت میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔

یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے

ہماری مسجد میں رمضان المبارک میں حضرت رحمۃ اللہ کی معمول کے مطابق (سالانہ) حاضری ہوئی، رمضان المبارک کے دن چھوٹے اور راتیں بڑی تھیں، روزانہ نماز تراویح اور وتر کی نماز سے فراغت پر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ کی تقریر ہوتی تھی، برطانیہ کے شہر.......... سے ایک قاری صاحب بھی حضرت کی معیت میں رمضان المبارک کے چند ایام گذارنے کے لئے آئے ہوئے تھے، وہ نعت خواں بھی ہے، اس لئے ترتیب یہ رکھی گئی کہ روزانہ رات کی حضرت رحمۃ اللہ کی تقریر سے پہلے وہ حمد یا نعت سنائیں گے، اور اس کے بعد حضرت کی تقریر ہوگی، ایک دن وہ کھڑے ہوئے اور آغاز اس طرح کیا کہ آج میں آپ لوگوں کو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ کے لکھے ہوئے اشعار سناتا ہوں، سنئے، اور پڑھنا شروع کیا:

سب سے پہلے مشیت کے انوار سے
نقش روئے محمد بنایا گیا
پھر اسی نقش سے مانگ کر روشنی
بزم کون ومکاں کو سجایا گیا

حضرت رحمہ اللہ اس مجلس میں موجود تھے جیسے ہی قاری صاحب نے اتنا حصہ سنایا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کو آگے پڑھنے سے یہ کہتے ہوئے روک دیا ان اشعار میں شرک کی بو آتی ہے، نیز فرمایا کہ ان اشعار کی نسبت جو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ (مراد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) کی طرف کی جاتی ہے یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ایسے شرکیہ اشعار لکھ ہی نہیں سکتے، وہ تو توحید کے علمبردار تھے، پھر فرمایا کہ قاری صاحب کوئی اور نعت سناؤ، حضرت رحمہ اللہ نے اس دن کی تقریر میں خطبہ کے بعد سورۂ حشر کی اخیری تین آیتیں تلاوت کی، اور پورا بیان اس پر کیا کہ توحید کیا ہے، اور توحید کی اسلام میں کیا اہمیت ہے اور اسلام نے کتنی دور سے ان باتوں اور کاموں کی بھی حد بندی کر دی ہے جو شرک تک پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ (مفہوم)

گمراہانِ شرک کو توحید سکھلاتا رہا

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متعلق شورش کاشمیری مرحوم نے لکھا ہے ؎

شافعِ کون ومکاں کی راہ دکھلاتا رہا
گمراہانِ شرک کو توحید سکھلاتا رہا
اس صدی میں عصر حاضر کا فقیہ بے مثال
سنت خیر الوری کے زمزمے گاتا رہا
پرچمِ اسلام ابرِ درخشاں کے روپ میں
بت کدوں کی چار دیواری پر لہراتا رہا

رمضان کا ایک معمول

ایک اور مشہور نعت خواں بلیک برن سے ہماری مسجد "مسجد قبا"، تشریف لائے تھے وہ دار العلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہیں رمضان المبارک کا مہینہ تھا نماز تراویح سے فراغت پر معمول کے مطابق حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی فقہی مسائل کی مجلس لگی ہوئی تھی، پروانے شمع کے گرد جمع تھے، اس مجلس میں انہوں نے اپنا نعت کا آلبم (سی، ڈی) حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا، حضرت رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میرا پڑھا ہوا نعت کا آلبم ہے، آپ سنئے گا، حضرت رحمہ اللہ نے اس پر فرمایا کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ چل رہا ہے اور میں رمضان المبارک میں سوائے قرآن کریم کے نہ کوئی کتاب پڑھتا ہوں اور نہ کچھ سنتا ہوں۔

میں مشغول آدمی ہوں، فارغ نہیں

اس پر وہ نعت خواں کہنے لگے کہ حضرت انڈیا پہنچ کر سنئے گا، اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انڈیا میں میری مصروفیت بہت زیادہ ہوتی ہے، میں مشغول آدمی ہوں فارغ نہیں، انڈیا میں میرے پاس ان چیزوں کے سننے کا وقت نہیں ہوتا ہے، لہذا یہ آپ اپنے پاس ہی رکھو مجھے نہیں چاہئے۔

یہ وہ دف نہیں جس کا حدیث میں ذکر ہے

پھر فرمایا کہ ہے تو یہ نعت مگر اس کی دھن میوزک کی ہوگی آج کل نعتیں بھی گانے کے انداز پر پڑھی اور ریکارڈ کی جاتی ہے جو بالکل حرام ہے، اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ حضرت "دف،، کا استعمال کیا ہے، اس پر فرمایا کہ حدیث پاک میں جس

"دف،، کے بجانے کی اجازت ہے اس سے وہ "دف،، مراد نہیں ہے جو آج کل "دف،، کے نام پر بجایا جاتا ہے، اس پر وہ صاحب خاموش ہو گئے۔



ایک رسم کی اصلاح



حضرت رحمۃ اللہ کی موجودگی میں ایک نعت خواں نعت پڑھ رہے تھے، دوران نعت وہ سامعین سے کہنے لگے کہ تم لوگ بالکل خاموش رہتے ہو میں جب نعت کا مصرعہ ختم کروں تو اس پر تم لوگ سبحان اللہ کہا کرو، اس پر حضرت رحمۃ اللہ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا کہ سامع جب کوئی بات سنے تو خود بخود اس کے منہ سے سبحان اللہ، ماشاء اللہ، الحمدللہ یہ جملے نکلے تو اس کی گنجائش ہے، مگر یہ جو تم سامعین سے ہر مصرعہ پر سبحان اللہ کہنے کی فرمائش کر رہے ہو یہ بالکل غلط طریقہ چل پڑا ہے، ہمارے اسلاف سے یہ ثابت نہیں ہے اور یہ جو طریقہ ہے یہ ہمارے پڑوس کے ملک سے چلا ہے، یہ غلط ہے کہ کسی کو بات سمجھ آئے نہ آئے بس رواجی طور پر سبحان اللہ کہتا رہے، ہاں خود بخود کسی مصرعہ کے سننے پر تمہارے دل سے سبحان اللہ یا اس طرح کا کوئی کلمہ نکلتا ہے تو کوئی بات نہیں۔



تین کام ہونے شروع ہوئے تو.........



حضرت رحمۃ اللہ کی رمضان المبارک میں ہماری مسجد آمد کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لئے موقوف رہا تھا، اس درمیان برطانیہ کے شہر.........سے ایک عالم دین کی رمضان المبارک کے اخیری دس دن (آخری عشرہ) کے لئے ہماری مسجد تشریف آوری ہوئی، انہوں نے آکر:



(۱) رمضان المبارک کی راتوں میں تہجد باجماعت کی ادائیگی

(۲) ہر شب جمعہ میں اجتماعی درور شریف کا اہتمام

(۳) ہر روز بعد نماز ظہر اجتماعی ذکر بالجہر کا التزام شروع کیا۔

دوبارہ جب ہماری مسجد (مسجد قبا) میں حضرت مفتی صاحب رَحِمَهُ اللهُ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو احباب نے ان اعمال کا (مذکورہ بالا) ذکر حضرت رَحِمَهُ اللهُ سے کیا۔

خیر القرون میں اس طرح پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا

بدھ کے روز حضرت رَحِمَهُ اللهُ کے کان تک یہ بات پہنچی، دو دن بعد جمعہ تھا، جمعہ کے روز نماز جمعہ سے پہلے حضرت مفتی صاحب رَحِمَهُ اللهُ نے اپنی تقریر کا آغاز حضرت نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے اس خطبہ سے کیا۔

عن جابر رضی الله عنه ان النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كان يقول فی خطبته اما بعد! فان خير الحديث كتاب الله، وخير الهدی هدی محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وشر الامور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة (مسلم) (ورد بزیادو کل ضلالة فی النار۔)

حضرت رَحِمَهُ اللهُ نے اس روز جو تقریر کی اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے

فرمایا کہ: ہماری مسجد میں (حضرت رَحِمَهُ اللهُ جب کبھی ہماری مسجد، مسجد قبا کا ذکر آتا تو اس وقت یوں فرماتے کہ "ہماری مسجد"، یہ معمول آپ کا کسی اور ملک میں آپ کا بیان ہوتا اور کسی بہانے سے ہماری مسجد، مسجد قبا کا ذکر چھڑ جاتا تب بھی تھا، اس سے حضرت رَحِمَهُ اللهُ کو ہماری مسجد، "مسجد قبا"، سے جو لگاؤ تھا اس کا احساس کیا جا سکتا ہے) ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے، ہر شب جمعہ میں اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کا، سنو! خیر القرون میں اس طرح ہر شب جمعہ میں اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کا

کوئی ثبوت نہیں ملتا، اگر یہ کام اس طرح انجام دینا درست ہوتا تو وہ لوگ اس طرز عمل کو ضرور اختیار کرتے، نیک کاموں کے وہ ہم سے زیادہ حریص تھے، ہاں! شب جمعہ اور یوم جمعہ میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر درود شریف کا نذرانہ بھیجنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہے، مگر جس طریق پر ہماری مسجد میں اس عمل کو انجام دیا جارہا ہے کہ ایک بندہ زور سے پڑھے اور حاضرین اس کو سر جھکائے سنتے رہے یہ طریقہ درست نہیں، اور بات صرف درست نہیں کی نہیں ہے بلکہ اس طریق پر اس عمل کو انجام دینا "بدعت،، ہے، اور بدعت بہت بڑا گناہ ہے، شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بدعت ہے، اس لئے اس عمل کو اس طرز اور طریق پر انجام دینا بند کرو، تم نے تو اپنی مسجد میں ایک عمل جو کہ بدعت ہے اس کو شروع کر رکھا ہے، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں ہمیں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر روزانہ اور بالخصوص شب جمعہ اور یوم جمعہ میں درود شریف کا نذرانہ ضرور بھیجنا ہے مگر تنہا اور انفرادی طور پر، اجتماعی طور پر نہیں، میں نے شروع میں جو خطبہ پڑھا اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور یہ خطبہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اکثر و بیشتر جمعہ کے روز دیا کرتے تھے۔

امابعد! بے شک سب سے بہترین حدیث کتاب اللہ ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا ہے اور سب سے بدترین کام وہ ہے جو بدعت (نیا) ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس لئے یہ سلسلہ بند کرو، حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کے اس خطاب کے بعد جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ بند ہو گیا۔

نیز حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا تھا کہ اس طرح پڑھنے میں درود کی رفتار بہت تیز

ہوتی ہے، یہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شایانِ شان نہیں ہے، جب بھی حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا نام اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر درود شریف بھیجو تو رفتار آہستہ ہونی چاہئے۔

(اضافہ: فتاوی رحیمیہ ج۱، ص ۷۶۴ پر ہے صلوۃ وسلام انفرادی طور پر (تنہا تنہا) پڑھا جاتا ہے، صلوۃ وسلام کے لئے اجتماع، اہتمام اور التزام ثابت نہیں ہے۔



تہجد بارہ مہینے کی نماز ہے اور پرسنلی نماز ہے



جیسا کہ پیچھے ذکر کیا ہماری مسجد میں نماز تہجد با جماعت ادائیگی کا سلسلہ شروع ہوا تھا، کچھ عرصہ بعد حضرت مفتی صاحب رَحِمَهُ اللهُ کی ہماری مسجد آمد ہوئی، احباب نے آپ سے اس سلسلہ میں سوال کیا کہ رمضان المبارک میں تہجد با جماعت کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

جواب میں حضرت رَحِمَهُ اللهُ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ قیام اللیل، دوسرا لفظ ہے صلوۃ اللیل، تیسرا لفظ ہے صلوۃ التھجد رات کو سو کر آخری رات میں جو نماز پڑھی جاتی ہے جس کو تہجد کی نماز کہتے ہیں اس کو جماعت سے رمضان المبارک میں پڑھنا، ہمارے یہاں کا فتوی یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، اس لئے کہ تہجد بارہ مہینے کی نماز ہے، اور پرسنلی نماز ہے، گھروں میں تنہا تنہا پڑھو۔



صرف فرائض اور واجبات کی جماعت ہے



صرف فرائض اور واجبات کی جماعت ہے، پانچ نماز فرض ہیں، جمعہ فرض ہے، عیدین واجب ہے بس ان کی جماعت ہے، اس کے علاوہ کسی نماز کی جماعت نہیں ہے، وہ سب نمازیں انفرادی ہے، جماعت سے نہیں ہے، چونکہ اس طرح سے جماعتیں شروع کرو گے تو پھر صلوۃ اللیل جماعت سے ہونے لگے گی، پھر اس کے بعد میں "صلوۃ

التسبیح،، جماعت سے ہونے لگے گی، پھر" اشراق کی نماز،، بھی جماعت سے ہونے لگے گی، اتنی جماعتیں ہوجائے گی کہ مسجد میں کوئی آئے گا ہی نہیں، اس لئے صرف فرائض اور واجبات کی جماعتیں ہیں، اور واجبات میں بھی وتروں کی صرف رمضان المبارک میں جماعت ہے، دوسرے دنوں میں وتروں کی بھی جماعت نہیں ہے۔

ایک امام اور دو مقتدی ہوتو جائز ہے تین ہو گئے تو مکروہ ہے

نوافل کوئی نفل ہو اس کی اگر جماعت کرے ایک امام اور دو مقتدی ہوتو جائز ہے، اور تین مقتدی ہو گئے تو اب مکروہ (ایک قول یہ ہے کہ مقتدی چار یا چار سے زیادہ ہوتو مکروہ ہے، تین افراد کی جماعت میں نوافل کی ادائیگی کے مکروہ ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے، جب کہ دو افراد کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے) اس کو کہتے ہیں" تداعی،، یعنی ایک دوسرے کو بلانا، دوسرے کو بلانے کا مطلب ہے دو مقتدی اگر ہے تو چاہے ان کو بلایا ہو" تداعی،، نہیں ہے، اور تین مقتدی ہو گئے تو" تداعی،، ہو گئی چاہے ان کو نہ بلایا ہو، بس یہی دار العلوم دیوبند کا فتوی ہے۔

ان کو میں نے بلایا نہیں ہے، یہ کھڑے ہو جاتے ہیں

اگر دار العلوم دیوبند کے کسی بہت بڑے آدمی اور ان کے خلفاء اور ان کے مریدین اگر تہجد کی جماعت کرتے ہیں تو وہ ان کا اپنا عمل ہے دار العلوم دیوبند کا فتوی نہیں ہے، میں نام لوں، حضرت مدنی (مولانا حسین احمد) قدس سرہ جب اعتکاف کرتے تھے تو چونکہ حضرت رحمۃ اللہ نے بڑی عمر میں حفظ کیا تھا تو تراویح میں تو حضرت سنا نہیں سکتے تھے بار بار لقمے دینے پڑتے ہیں، تو تہجد میں حضرت قرآن کریم پڑھتے تھے، تو حضرت جس مسجد میں اعتکاف کرتے تھے اس میں جو معتکفین ہوتے تھے تو

وہ حضرت کے پیچھے کھڑے ہوجاتے تھے، حضرت سے اس کے متعلق پوچھا گیا کہ آپ کے پیچھے سو، ڈیڑھ سو آدمی مقتدی ہوتے ہیں، تو حضرت نے فرمایا بھئی، میرے ساتھ اعتکاف میں ہیں کہیں سے آئے نہیں ہے، ان کو میں نے بلایا نہیں ہے یہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔



یہ ان کا ذاتی عمل ہے، دیوبند کا یہ فتوی نہیں ہے



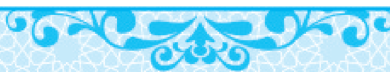
خیر، حضرت کا دور گذر گیا لیکن اب حضرت کے صاحبزادگان اور حضرت کے مجازین، خلفاء ان کے یہاں تہجد کی جماعتیں باقاعدہ ہونے لگی ہیں، اور پروپیگنڈہ کے طور پر لوگ جمع ہوتے ہیں، بس یہ ان کا ذاتی عمل ہے، دیوبند کا یہ فتوی نہیں ہے، دین کا صحیح مذہب پر فتوی دینے کا ذمہ دار دار العلوم ہے، میں ایک بندہ ہوں اگر میرا کوئی عمل دار العلوم کے فتوی کے خلاف ہے تو میرا عمل ہے، دار العلوم کا فتوی یہی ہے کہ صلوۃ اللیل ہو، صلوۃ التسبیح ہو یا کوئی نفل نماز ہو اس کو جماعت سے پڑھنا رمضان ہو یا غیر رمضان ہو یہ مکروہ ہے۔



حرمین میں صلوۃ اللیل کی جماعت ہونے کی وجہ



پھر ایک سوال ہے، حرمین میں تو تہجد کی جماعت ہوتی ہے، تو اس کا جواب سنو! حرمین میں ان سلفیوں کو خوش کرنے کے لئے صلوۃ اللیل کی جماعت ہوتی ہے، پہلے نہیں ہوتی تھی، اب سعودی عربیہ میں یہ سلفی غیر مقلد حاوی ہو گئے ہیں ان کو خوش کرنے کے لئے سعودیہ کی ہر مسجد میں تراویح کی آٹھ رکعات تراویح ہوتی ہیں، آٹھ سے زیادہ وہ پڑھاتے ہی نہیں ہے، اور وہ چاہتے تھے کہ حرمین میں بھی آٹھ رکعات ہو مگر مدینہ منورہ کے ایک امام صاحب نے کتاب لکھی ہے عربی میں ہے اور وہ



چھپی ہوئی ہے اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ خلفاء راشدین کے زمانے سے مسلسل حرمین میں بیس رکعات تراویح ہورہی ہے، تو یہ فتنہ دب گیا، وہاں (حرمین میں) تراویح تو بیس رکعات ہوتی ہے مگر اب ان کو بھی خوش کرنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک تو تراویح کوئی چیز ہے ہی نہیں، کہتے ہیں گیارہ مہینے تہجد سو کر اٹھ کر پڑھو، اور رمضان میں یہی تہجد کی آٹھ رکعتیں سونے سے پہلے پڑھو، تو ان کی بات تو چلی نہیں، امام صاحب نے کتاب لکھی اور بیس رکعات ثابت کی تو پھر ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی آٹھ رکعتیں بھی صلوۃ اللیل کے نام سے جماعت سے پڑھانا شروع کردیا، اور سعودیہ کی کئی مسجدوں میں جمعہ بھی گیارہ بجے پڑھنے لگے، تو ان کی رعایت میں وہاں صلوۃ اللیل پڑھتے ہیں، پس وہ کوئی دلیل نہیں ہے۔



صلوۃ اللیل تنہا پڑھنے کی نماز ہے



دلیل: بخاری شریف میں روایت ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب تراویح کا نظام بنایا تو لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کی کہ یہ کیا بدعت شروع ہوگئی، آج کل یہ جو سلفی ہے غیر مقلد یہ بیس رکعت تراویح کو بدعت عمری کہتے ہیں، تو اس وقت بھی چہ میگوئیاں ہوئی تھیں، اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ "نعمت البدعة هذه" تم جو بدعت کہہ رہے ہو بدعت سیۂ سے یہ بدعت سیۂ نہیں ہے، یہ نئی چیز ہے اور اچھی چیز ہے، اس لئے کہ اس کا روٹ ہے، اصل ہے، جڑ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان المبارک میں دو یا تین راتیں نماز تراویح پڑھائی تھی وہ بیس رکعات پڑھائی تھی، اسی پر جب فرضیت کا اندیشہ نہیں رہا تو پورا مہینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جاری کیا، وہ بیس رکعتیں پڑھائی تھیں، اور اس کی

روایت ہے "سنن بیہقی"، میں اور اس حدیث شریف کی سند ضعیف ہے، حدیث ضعیف نہیں ہوتی، سند ضعیف ہوتی ہے اور سند کے ضعیف ہونے سے آسمان ٹوٹ نہیں پڑتا، چودہ سو سال سے جن کتابوں میں صحیح حدیثیں تھیں ان میں ضعیف حدیثیں بھی ہیں، اور موضوع حدیثوں کی کتابیں الگ ہیں، کیونکہ جب کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہیں مل سکتی ہے تو ضعیف حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، چاروں فقہاء استدلال کرتے ہیں۔

اور میں تو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں ہمارے یہاں مسافروں کی جو ریل گاڑیاں (ٹرین) ہوتی ہیں اس کے دو ڈبے ہوتے ہیں ایک فرسٹ کلاس دوسرا سیکنڈ کلاس اگر آپ کے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ ہے تو آپ سیکنڈ کلاس میں کیوں بیٹھیں گے، اگر آپ کے پاس مسئلہ میں صحیح حدیث ہے تو اسے لو ضعیف حدیث اگر ہے تو کیوں لو، جب ٹکٹ فرسٹ کلاس کا ہے تو فرسٹ کلاس میں بیٹھو، سیکنڈ کلاس میں کیوں بیٹھو، لیکن اگر آپ کے پاس ٹکٹ ہی سیکنڈ کلاس کا ہو تو پھر سیکنڈ کلاس میں بیٹھو، لیکن اسی اسٹیشن پر "گڈس"، کا ایک ڈبہ پڑا رہتا ہے اس ڈبہ میں مت بیٹھو، وہ تو موضوع حدیثیں ہیں، لہذا چودہ سو سال سے موضوع حدیثیں الگ کتابوں میں ہے یہ "گڈس"، کا ڈبہ ہے اور یہ صحیح اور ضعیف فرسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس کا ڈبہ ہے، بس اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ہے تو وہ لیں گے، ضعیف حدیث نہیں لیں گے، اور اگر صحیح حدیث نہ ہو تو تمام فقہاء ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں، تو سنن بیہقی جو صحیح حدیثوں کی کتاب ہے اسی میں یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس کی سند ضعیف ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دو دن یا تین رات جماعت سے تراویح کی نماز پڑھائی تھی تو وہ بیس رکعات

پڑھائی تھی، تو حضرت عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے کہا "نعمت البدعة هذه"، لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، بدعت سیۂ کہتے ہیں، یہ بدعت سیۂ نہیں ہے، یہ تو بدعت حسنہ ہے، اس لئے کہ اس کا روٹ ہے، اصل ہے، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تین راتیں یہی بیس رکعات پڑھائی تھیں، لہذا یہ بدعت نہیں ہے، دیکھو! جو چیز حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانے میں تھی وہ چیز آج بعینہ ہے تو وہ سنت ہے، ایسے ہی حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانے میں کسی چیز کی اصل ہے، پھر آج اس کی شکل بدلے تو اس کو بدعت نہیں کہیں گے، جیسے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں مسجد میں ایک چبوترہ تھا دیہاتوں کے مسلمان علم دین حاصل کرنے آتے تھے تو سامان اپنا اس چبوترہ پر رکھتے تھے، مسجد میں سوتے تھے مدینہ کے صحابہ جو کھانا لاتے تھے وہ کھاتے تھے، علم حاصل کرتے تھے پھر چلے جاتے تھے، اب آج دنیا میں طرح طرح سے مدرسے اور دارالعلوم بن رہے ہیں ان کا روٹ مسجد صفہ کا مدرسہ ہے، بس آج کے زمانہ کے تقاضوں کے اعتبار سے جو شکلیں بدلے گی وہ بدعت نہیں کہلائے گی، ٹھیک اسی طریقہ پر یہ دو دن یا تین دن پڑھایا ہے اب پورا مہینہ جماعت سے حضرت عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے تراویح شروع کروائی تو اس کو بدعت نہیں کہیں گے، کیونکہ اس کا روٹ ہے، ایک بات تو یہ فرمائی۔

دوسری بات یہ فرمائی وہ نماز جس سے تم سوتے رہتے ہو وہ نماز اس نماز تراویح سے افضل ہے، یعنی گیارہ مہینے تو ایک نماز ہے صلوۃ اللیل، وہ بھی تنہا گھروں میں پڑھو، اور رمضان میں دو نمازیں ہیں، یہ ایک نماز رمضان کی ایکسٹرا ہے، وہ رمضان میں سونے سے پہلے پڑھنی ہے، اس کا نام تراویح ہے، اور دوسری رمضان میں سونے کے بعد میں پھر اٹھ کر صلوۃ اللیل پڑھنی ہے جو انفرادی ہے، اور حضرت عمر رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے

فرمایا کہ رمضان میں جو تہجد کی نماز ہے وہ تراویح سے افضل ہے، دونمازیں الگ الگ ہے اور اس سے یہ افضل ہے۔

تہجد باجماعت کا اہتمام حضور اور صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے

(اضافہ: تہجد کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں باجماعت پڑھنے کا اہتمام آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ سے منقول نہیں ہے، ماہ مبارک میں آپ کا معمول اعتکاف کا تھا، لیکن آپ نے صحابہ کے ساتھ تہجد باجماعت پڑھی ہو یہ ثابت نہیں، اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں کہ تہجد وغیرہ نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۴ ص ۳۲۳ بحوالہ در مختار مع شامی)

مبسوط سرخسی میں ہے کہ اگر نوافل باجماعت مستحب ہوتی تو تمام قائم اللیل تہجد گذار مجتہدین کا اس پر عمل ہوتا۔ (حوالا بالا)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رَحِمَهُ اللهُ تحریر فرماتے ہیں کہ جو لوگ فقہاء کے بعض اقوال سے یہ سمجھتے ہیں کہ کراہت کا حکم غیر رمضان میں ہے اور رمضان میں جائز ہے، یہ درست نہیں ہے، "فی غیر شھر"، رمضان کی قید سے صرف نوافل تراویح کو نکالنا مقصود ہے، لہذا معلوم ہوا کہ نوافل کی جماعت رمضان اور غیر رمضان سب میں مکروہ ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۱ ص ۳۷۸)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَهُ اللهُ نے تہجد باجماعت کیوں پڑھی

انوار الباری ج ۲ میں ہے: حضرت مدنی رَحِمَهُ اللهُ کا تہجد باجماعت کا معمول سب اکابر علماء دیوبند سے ہٹ کر تھا، سوال یہ ہے کہ حضرت اپنے وقت کے بلند پایہ عالم اور تقوی و تصوف میں بڑا مقام رکھتے تھے آپ نے فقہاء اور اکابر دیوبند کے

خلاف عمل کیوں اپنایا؟

اس کے جواب میں ہم کو دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) جن خوش نصیب بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم میں پورا عبور عطا فرمایا ہو ان کو بعض مسائل جزئیہ کے اندر انفرادی رائے قائم کرنے کا حق ہوتا ہے، لیکن وہ عمل دوسروں کے لئے قابل حجت نہیں ہوتا، صرف انہیں تک محدود رہتا ہے جیسا کہ علامہ جمال الدین ابن ہمام رحمہ اللہ کے تفردات کے سلسلہ میں مشہور ہے کہ ان کے شاگرد خاص علامہ قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے استاذ کے وہ تفردات جو اجماع امت کے خلاف ہیں وہ قابل عمل نہیں ہے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ سے آپ کے عمل تہجد با جماعت کے متعلق سوال کیا گیا حضرت رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ میں خود تو کرتا ہوں، دوسروں کو تو نہیں کہتا۔

(۲) ایک ہوتا ہے باب احکام اور ایک ہوتا ہے باب تربیت، تربیت میں ایسی باتوں کی گنجائش ہوتی ہے جو بظاہر باب احکام کے خلاف ہوں، تو ہمارا حسن ظن بھی مولانا مدنی رحمہ اللہ کے سلسلہ میں یہی ہے کہ آپ سالکین کو تہجد کا عادی بنانے کے لئے بطور تربیت تہجد کی نماز جماعت سے ادا فرمایا کرتے ہوں گے، اور یہ عمل کسی دوسرے کے لئے باعث حجت نہیں ہو سکتا۔

بہر حال مسئلہ اپنی جگہ پر ہے کہ ایک مقتدی ہو تو جائز ہے اور دو میں بھی جواز ہے اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس میں بعض فقہاء کا خیال عدم کراہت کا ہے اور بعض کا خیال کراہت کا ہے۔ (انوار الباری)

کسی شخصیت کے انفرادی استنباط کی وجہ سے فقہ حنفی نہیں بدلے گا

ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ ص ۲۱ پر ہے:

عرض: احقر (مرتب) نے عرض کیا کہ حضرت! تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ جائز ہے یا نہیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ تو تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ رمضان المبارک میں پڑھا کرتے تھے اسی پر عمل کرتے ہوئے احقر نے بھی اپنے وطن رائے چوٹی میں تہجد جماعت کے ساتھ شروع کردی ہے۔

ارشاد: حضرت مدنی رحمہ اللہ بڑے محدث اور فقیہ تھے ان کو حدیث وفقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی ان کو حق تھا وہ استنباط کرسکتے تھے، ہمارا منہ نہیں کہ ہم ان پر اعتراض کریں، مگر کسی شخصیت کے انفرادی استنباط کی وجہ سے فقہ حنفی نہیں بدلے گا، اور فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ نوافل میں اگر ایک امام ہوں دو مقتدی ہوں یا ایک امام اور تین مقتدی ہوں تو جماعت کی اجازت ہے، اور اگر اس سے زائد ہوں تو پھر وہ تداعی کہلاتی ہے، وہ منع ہے، سہارن پور میں حضرت شیخ کے یہاں بھی کچھ لوگ تہجد اس طریقہ پر پڑھا کرتے تھے اس کو میں نے منع کردیا تھا۔

کبھی بھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی

بوحنیفائے وقت، محقق زماں، اکابر دیوبند کے سرخیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی بھی تحقیق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد ہمیشہ تنہا ادا فرماتے تھے، کبھی بھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی (جماعت کے لئے نہیں بلایا)

اجازت نہیں دی

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کو

رمضان المبارک میں قرآن کریم نفلوں میں سننے کا بڑا شغف تھا، جب لوگوں نے جماعت میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اس کی اجازت نہیں دی اور گھر کا دروازہ بند کر کے اندر حافظ کفایت اللہ کی اقتداء میں قرآن مجید سنتے تھے، پھر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو یہ معمول بنالیا کہ فرض نماز کے بعد مسجد سے باہر تشریف لے آتے تھے، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد تراویح میں پوری رات قرآن مجید سنتے تھے جس میں چالیس، پچاس آدمی شرکت کرتے تھے اور گھر میں جماعت ہوتی تھی لیکن نفلوں کی جماعت کو گوارہ نہیں فرمایا۔ (انوار الباری)



میرا کان پکڑ کر الگ کر دیا



حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ حافظ قرآن تھے اور تہجد میں قرآن مجید تلاوت فرماتے تھے، دو حافظ حضرت کے پیچھے قرآن کریم سناتے تھے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ایک شب میں بھی مقتدی بن گیا تو حضرت نے نماز کے بعد میرا کان پکڑ کر الگ کر دیا۔ (انوار الباری ج ٢ ص ٨٧)

ایک دن شاداب زمین کا سبب بن جاتا ہے

شیخ مصطفی السباعی فرماتے ہیں کہ حق بولنے سے گریز کے لئے یہ دلیل کافی نہیں کہ کوئی کان نہیں دھرتا، جو بھی اچھا بیج زمین میں ڈالا جاتا ہے ایک دن شاداب زمین کا سبب بن جاتا ہے۔

جو حق سمجھیں اس کا برملا اظہار کریں

آپ کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ لوگ آپ کی رائے کو حق سمجھ کر قبول کریں بلکہ آپ پر یہ لازم ہے کہ آپ جو حق سمجھیں اس کا برملا اظہار کریں۔

بدعات ورسومات کا کھل کر رد کرتے تھے

شیخ مصطفی السباعی کا ملفوظ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت، اور آپ کے مزاج کی بعینہ ترجمانی کرتا ہے، آپ نے ہمارے حلقہ میں پائی جانے والی بدعات ورسومات کا کھل کر رد کیا، بغیر اس بات کی پرواہ کئے کہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے، آپ نے اپنا دینی فریضہ احسن طریقہ سے پورا کیا، ہماری مسجد "مسجد قبا،، میں ایک......... نے ذکر بالجہر کا سلسلہ اجتماعی طور پر شروع کیا، اس اجتماعی ذکر کو مسجد کے لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ گھروں میں پہنچایا جاتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ سے اس عمل کے متعلق سوال کیا گیا، جواب میں حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

یہ بدعت ہے

فرمایا کہ: ہمارے حلقہ میں بعض بڑے بڑے حضرات لاؤڈ سپیکر لے کر بیٹھتے ہیں اور مریدین کو اجتماعی ذکر کراتے ہیں، پیر صاحب کہتے ہیں "لا الہ الا اللہ،، تو سب مریدین

کہیں گے" لا الہ الا اللہ،، یہ بدعت ہے، کوئی بڑے سے بڑا آدمی اس طرح ذکر کرواتا ہو اس طریقہ سے ذکر کروانا یہ بدعت ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی پر نکیر کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دیکھا جو مسجد میں بلند آواز سے" لا الہ الا اللہ،، اور درود شریف پڑھتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں پر فتوی لگایا" ما اراکم الا مبتدعین میں تم کو بدعتی سمجھتا ہوں، پھر آپ نے ان بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیا کہ تم کلمہ کا ذکر اور درود شریف بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو، جب کہ اس کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول سے نہیں ہے۔

ذکر یہ انفرادی عبادت ہے

یہ طریقہ میں نے آج سے پچیس سال پہلے دیکھا تھا" بلیک برن،، میں ایک بزرگ تھے" مولانا اسماعیل.........میں بولٹن میں رمضان المبارک گذارتا تھا" بولٹن،، سے" بلیک برن،، قریب ہے، وہ میرے پاس آتے بھی تھے میرے ان سے تعلقات تھے، ایک مرتبہ میں بلیک برن گیا تقریر کرنے کے لئے تو وہ مسجد میں اپنے دس، بارہ مریدین کے ساتھ حلقہ بنا کر بیٹھے تھے اور سب مریدین کو ذکر کرا رہے تھے، حضرت مولانا کہتے تھے" لا الہ الا اللہ، تو آپ کے ساتھ سب مریدین بھی کہتے تھے" لا الہ الا اللہ، یہ طریقہ غلط ہے، ذکر یہ انفرادی عبادت ہے، سب بیٹھے ہوئے ہیں ایک ادھر، ایک ادھر ایک یہاں، ایک وہاں اور سب اپنا اپنا ذکر کر رہے ہیں، اس کی اجازت ہے یہ اجتماعی ذکر نہیں ہے۔

اجتماعی ذکر کہیں نہیں تھا

اگر کوئی اجتماعی ذکر کرواتا ہے، اور بڑے سے بڑا آدمی کرواتا ہے چاہے کوئی مفتی کرواتا ہے وہ غلط ہے، وہ "دیوبندیت،، نہیں ہے، پچاس سال سے تو میں اکابر دیوبند کو دیکھتے آرہا ہوں، اجتماعی ذکر کہیں نہیں تھا، اب شروع ہورہا ہے، دیوبندیوں میں بھی اجتماعی ذکر شروع ہورہا ہے، یہ بدعت ہے اس سے بچنا چاہئے۔

یہ ہیئت اجتماعیہ نہیں ہے

اتنا تو میں نے دیکھا ہے، ہمارے اکابر میں سے حضرت شیخ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ) قدس سرہ کے ساتھ جو لوگ طواف کرتے تھے وہ ظہر کے بعد ذکر کرتے تھے، ظاہر ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذکر کرتا تھا، یہ اجتماعی ذکر نہیں ہے، یہ تو ایک جگہ بیٹھے ہیں جیسے نماز سے فارغ ہوکر ہر بندہ دعا مانگ رہا ہے تو یہ اجتماعی دعا نہیں ہے، یہ تو ہر ایک اپنی اپنی دعا مانگ رہا ہے، اب دیکھنے میں ساروں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا رکھے ہیں ایسا نظر آتا ہے جیسے ہیئت اجتماعیہ ہے مگر یہ ہیئت اجتماعیہ نہیں ہے، ہر ایک اپنی اپنی دعا مانگ رہا ہے، تو حضرت شیخ قدس سرہ کے یہاں یہ تو ہم نے دیکھا کہ مسجد میں پانچ سو، سات سو آدمی ہیں سب اپنا اپنا ذکر کررہے ہیں، دائیں سے کوئی مطلب نہیں، بائیں سے کوئی مطلب نہیں، کسی کا ذکر جلدی شروع ہوا، کسی کا ذکر بعد میں ختم ہوا اس لئے یہ ہیئت اجتماعیہ نہیں ہے۔

یہ ایک نئی بات ہے جو دیوبندیوں میں پیدا ہونی شروع ہوچکی ہے

ہیئت اجتماعیہ یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر لے کر پیر صاحب بیٹھے ہیں "لا الہ الا اللہ،، تو اب سب کہتے ہیں ایک ساتھ "لا الہ الا اللہ،، یہ ایک نئی بات ہے جو دیوبندیوں میں پیدا

ہونی شروع ہو چکی ہے، میرے بھائیو! جہاں تک میری آواز پہنچے وہاں تک میری یہ آواز اور یہ بات پہنچاؤ کہ یہ طریقہ غلط ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی پر تنقید کی تھی، جنس کو ناجنس کے ساتھ ملاؤ تو "غلو" اور جنس کو جنس کے ساتھ ملاؤ تو "تشدد" لہذا میرے بھائیو! دین کو اس کی اصلی شکل میں مضبوطی سے پکڑو۔

"عقیدہ اور عقیدت" ٹھیک رکھے

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا اس بات پر خوب زور ہوتا تھا کہ "عقیدہ اور عقیدت" ٹھیک رکھے، عقیدہ بھی ٹھیک ہو اور عقیدت بھی اپنی حد میں، اور واقعی اس کی آج ضرورت بھی ہے، کیونکہ ان دونوں باتوں میں آج کل افراط و تفریط پائی جاتی ہے، شریعت مطہرہ کی تعلیم بھی یہی ہے کہ اس کے ماننے والے ہر معاملے میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، اعتدال کو اپنا شیوہ اور شعار بنائے۔

بہت جی لگتا تھا صحبت میں ان کی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا ہماری مسجد میں جس کمرہ میں قیام ہوتا تھا وہاں نماز ظہر کے بعد مقامی علماء آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے اور آپ سے علمی سوالات کرتے تھے، آپ اس کا ایک حد تک تفصیلی اور تسلی بخش جواب دیتے تھے، ایسی ہی ایک مجلس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

"بین النوم و الیقظة" بھی خواب ہی کی کیفیت ہے

سائل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں زیارت ہو سکتی ہے؟

ارشاد۔ زیارت جو ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خواب میں ہوتی ہے، اور "بین النوم والیقظة آدھا سو رہا ہے آدھا جاگ رہا ہے یہ بھی خواب ہی کی کیفیت

ہے، اس میں زیارت ہوسکتی ہے، بالکل ہوش میں ہے اس حالت میں نہیں ہوتی، اور جو واقعات مروی ہیں کہ بیداری میں زیارت ہوئی وہ در حقیقت "بین النوم والیقظۃ" ہوتے ہیں، جس کو ہم بیداری سمجھتے ہیں، میں سوتا ہوں تو نیند آتی ہے سو جاتا ہوں پھر آنکھ کھلتی ہے معلوم ہوتا ہے سو یا ہی نہیں، وہ بیداری نہیں ہوتی ہے "بین النوم والیقظہ" کی کیفیت ہوتی ہے۔

واقعات پچاس فیصد گھڑی ہوئی حکایات ہیں

سائل۔ حضرت! جو قصص مروی ہے کہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے وقت روضہ اقدس سے ہاتھ نکلا اس کی کیا حقیقت ہے؟

ارشاد۔ واقعات پچاس فیصد گھڑی ہوئی حکایات ہیں، اور باقی پچاس فیصد میں نمک مرچ لگایا جاتا ہے چٹپٹی بنانے کے لئے، اس لئے یہ حکایات اور کشف وکرامات سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوتا (اور عجیب بات ہے) جب تک کوئی بزرگ زندہ ہے کوئی کرامات نہیں، جہاں اس کا انتقال ہوا کہ دھڑادھڑ کرامات بیان ہونا شروع، پوری کی پوری کتاب لکھ دیں گے کرامات پر، بھئی! جب تک وہ زندہ تھا کوئی کرامات نہیں، اب اس پر پوری کتاب لکھ دیں گے۔

اسی طرح خواب بڑھتا جاتا ہے

سائل۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا جو واقعہ اس سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

ارشاد۔ میں نے آپ کو قاعدہ کلیہ بتادیا، وہ واقعہ اصل کتنا پیش آیا تھا اس کو بڑھا کر لوگوں نے کتنا کردیا ہے اس کی تمہارے پاس کیا گارنٹی ہے، خود ہمارے یہاں دار

العلوم دیو بند میں جو موجودہ عمارت ہے وہ رکھنے کا وقت آیا تو اس وقت مہتمم تھے مولانا رفیع الدین صاحب وہ شش و پنج میں تھے کہ عمارت کس طرح سے بنائی جائے، آج کل تو architect ہے اس وقت architect کہاں تھے، خود ہی نقشے بناتے تھے، تو وہ مذبذب تھے کہ عمارت کس طرح سے بنائی جائے، رات کو انہوں نے خواب دیکھا کہ نبی پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے تشریف لا کر کہ ایک لکیر کھینچی کہ اس پر بنیاد رکھو، خواب ختم ہو گیا، جو رات میں خواب دیکھا تھا وہ یاد ہے اسی کے مطابق لکیر کھینچ کر کے عمارت کی بنیاد رکھی گئی، اب یہ خواب یوں بڑھا کہ صبح وہ لکیر موجود تھی، ارے وہ لکیر موجود نہیں تھی وہ تو خواب دیکھا تھا، خواب میں یاد تھا لکیر کہاں ہے، حضور نے جہاں لکیر کھینچی تھی وہیں لکیر کھینچی انہوں نے، اسی طرح خواب بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ خواب تو دیکھتے ہی ہے، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی زیارت بھی ہوتی ہے، اس میں ہدایت بھی ملتی ہے، مگر یہ بڑھایا کہ خواب سے بیدار ہوئے تو وہاں لکیر کا نشان موجود تھا، پھر ہمارا شاعر ہے اس نے اس کو شعر میں لیا، کہتا ہے ۔

خود ساقی کوثر نے رکھی ہے میخانے کی بنیاد یہاں

اب گویا حضور تشریف لائے اور بنیاد رکھیں گے وہ بڑھ کر کے شعر میں یہاں تک چلا گیا۔

ان کو کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں

سائل۔ حضرت! واقعی ہمارے اور بریلوی کے درمیان فرق نہیں ہے، اس پر حضرت مسکرا دیئے، پھر فرمایا کہ "بالشت کا فرق ہے،، اس سے زیادہ فرق نہیں رہا، اور بعض چیزوں میں تو ایک "بالشت بھی فرق نہیں رہا،، مسجدوں کے ساتھ بزرگوں کی تدفین

ہونے لگی، گھروں میں بزرگوں کی تدفین ہونے لگی، کیوں بھئی! ان کو کونسے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں، گورِ غریباں میں کیوں دفن نہیں کرتے، مرکز نظام الدین دہلی میں تین بزرگ مسجد میں دفن ہے، جبکہ قبرستان ساتھ لگا ہوا ہے، سارے اکابر مولانا عبید اللہ صاحب رحمۃ اللہ، مولانا عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ وغیرہ وہیں دفن ہے، اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ، حضرت مولانا انعام صاحب رحمۃ اللہ مسجد میں دفن ہے، یہ تو ابھی عرب آتے ہیں جماعتوں میں تو عربوں سے ڈر کر بیچ میں پردہ کر رکھا ہے، بیچ میں دیوار کر رکھی ہے، جس دن یہ نہیں ہوگا اور یہ دیوار ہٹے گی تو وہی سب کچھ ہونے لگے گا جو اور جگہ ہو رہا ہے، کتنے ہی بزرگوں کو بس مرے کہ مسجد یا مسجد کے صحن میں دفن کریں گے، کیوں بھئی! ساری دنیا قبرستان میں دفن ہوتی ہے، ان کو مسجد اور مسجد کے صحن میں کیوں دفن کرتے ہیں، ان چیزوں میں تو ہم میں اور بریلویوں میں فرق ہی نہیں رہا۔

عقیدت کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ ان کو اللہ میاں کا چھوٹا بھائی مانو

سائل۔ جب ہم یہ باتیں قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں تو ہمیں سلفی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، یا یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے دلوں میں اکابر کی کوئی عقیدت نہیں ہے۔

ارشاد۔ عقیدت کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ ان کو اللہ میاں کا چھوٹا بھائی مانو، بھئی! وہ جو بھی تھے اللہ تعالی کے بندے تھے، کائنات کے سردار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری تعریف میں مبالغہ مت کرو، یہ کہو" عبدہ ورسولہ، اللہ تعالی کے بندے تھے اور اللہ کے رسول تھے۔

(اضافہ۔ مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے اس بات کو اپنے انداز میں اس طرح بیان

کیا ہے:

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ مرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ
بنانا نہ تربت کو مری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

کیا کرے ہم لوگ ان کی طرف جا رہے ہیں وہ اس طرف نہیں آرہے، ہم ان کی گاڑی میں بیٹھ رہے ہیں۔






یہ طرز خاص کوئی کہاں سے لائے گا

سنا ہے اس کو سخن کے اصول آتے ہیں
کرے کلام تو باتوں سے پھول آتے ہیں

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا مزاج خالص علمی تھا، آپ کی باتیں اور آپ کی مجالس علمی ہوتی تھیں، آپ کا انداز تفہیم بڑا پیارا اور نرالا تھا، آپ علمی باتوں کو اس قدر سہل انداز میں بیان کرتے کہ عوام وخواص اس سے یکساں مستفید ہوتے تھے، آپ علمی باتوں کو جس سہل پیرائے میں بیان کرتے تھے وہ آپ کا ہی حصہ تھا۔

یہ طرز خاص کوئی کہاں سے لائے گا
جس طرح وہ سمجھاتے تھے کوئی کیسے سمجھائے گا
شمع کے گرد پروانے جمع ہوجاتے
تم کہیں ہو دل دیوانہ وہاں پہنچے گا
شمع ہوگی جہاں پروانہ وہاں پہنچے گا

(بہادر شاہ ظفر)

ہماری مسجد میں جب آپ کی تشریف آوری ہوتی تو نماز فجر اور نماز ظہر کے بعد شمع کے قریب پروانے جمع ہوجاتے (مقامی علماء آپ کے کمرہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے) اور پھر یہ ایک عام سی مجلس تھوڑی ہی دیر میں مدرسہ کی شکل اختیار کرجاتی، مجلس میں سے کوئی صاحب آپ سے کوئی علمی سوال پوچھتا، بس پھر کیا تھا اس کی تشریح میں علم کا دریا اپنی موج میں آکر بہنا شروع ہوجاتا اور حاضرین یوں محسوس کرتے کہ وہ لندن میں نہیں بلکہ ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں بیٹھے



ہیں، جو آپ کا تدریسی مزاج تھا اسی انداز میں باتوں کو رکھتے چلے جاتے، حاضرین مجلس بھی اسی کیفیت کے ساتھ حضرت کی باتوں کو باادب سنتے تھے جس طرح دار الحدیث میں طلباء حضرت کے درس کو سماعت کرتے ہیں، آپ کا مسحور کن انداز پورے مجمع کو اپنی گرفت میں لے لیتا تھا، وقت کیسے گذر جاتا پتہ ہی نہیں چلتا تھا، ایسی ہی چند مجالس کا لب لباب اور خلاصہ پیش خدمت ہے۔

یہ توامت کا اجماعی مسئلہ ہے

عرض۔ ہمارے عقیدے کے مطابق حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، تو اس حیات کی کیفیت کیا ہے؟

ارشاد۔ ہمارے عقیدے کے مطابق نہیں یہ تو امت کا اجماعی مسئلہ ہے، اور شہداء کی حیات قرآن کریم میں مصرح ہے، اور انبیاء کا مقام شہداء سے بلند ہے، جیسے قرآن کریم میں ہے کہ ماں باپ کو "اف،، مت کہو، تو اسی آیت سے مارنے اور گالی دینے کی حرمت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتی ہے، تو شہداء کی حیات قرآن کریم میں مصرح ہے اسی آیت سے انبیاء کی حیات بدرجہ اولی ثابت ہوتی ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے سلفی بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔

میں ہر جگہ اس رائے کو گاتا نہیں پھرتا

پھر مسئلہ شروع ہوتا ہے "حیات کی کیفیت کا،، اس میں ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رَحِمَہُ اللّٰہُ کی رائے یہ تھی کہ دنیا کی بعینہ حیات ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے "کفایت المفتی،، میں دو مقام پر لکھا ہے کہ "برزخی حیات،، ہے، شہداء کی بھی برزخی

حیات ہے، حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بھی برزخی ہے، تو وہ بھی تو ہمارے اکابر میں سے ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رَحِمَهُ اللهُ نے ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ یہ میری رائے ہے اور میں ہر جگہ اس رائے کو گاتا نہیں پھرتا، کوئی پوچھتا ہے تو بتادیتا ہوں، اور یہ حضرت رَحِمَهُ اللهُ نے صاف لکھا ہے کہ یہ کوئی عقیدہ نہیں ہے بلکہ ایک مسئلہ ہے، بس اب ان کی رائے یہ ہے، ان کی رائے یہ ہے، تمہاری جو سمجھ میں آئے اسے لے لو، تو "حیات الانبیاء"، یہ تو اجماعی ہے، اور شہداء کی حیات کی جو آیت ہے اسی سے یہ مسئلہ ثابت ہوا ہے، حدیث اگر ضعیف بھی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، مسئلہ اس آیت سے ثابت ہے، اب حیات کی کیفیت کیا ہے اس میں اختلاف ہے، ہمارے اکابر کی دونوں رائے ہیں کوئی بھی رائے اختیار کر سکتے ہو پھر حیاتی، مماتی کا مسئلہ کیوں کھڑا کرتے ہو۔

دونوں طرف ہمارے اکابر ہے، جس رائے کو چاہے لے لو

عرض۔ تو حیاتی، مماتی یہ کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔

ارشاد۔ جی کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں، حیات کا کوئی انکار کرے گا وہ گمراہ ہے یہ اجماعی مسئلہ ہے، جیسے شہداء کی حیات کا کوئی انکار کرے وہ گمراہ ہے، قرآن کریم میں ہے صراحت سے، پھر اس حیات کی کیفیت کیا ہے، ساری امت متفق ہے کہ برزخی حیات ہے، دنیوی حیات نہیں ہے، اب اس کی کیفیت میں اختلاف ہوگیا ہے، دونوں طرف ہمارے اکابر ہے، جس رائے کو چاہے لے لو، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رَحِمَهُ اللهُ کی تین دلیلیں ہیں وہ میں نے اپنی کتاب "تحفۃ القاری میں کتاب المناقب"، میں ذکر کی ہے وہاں دیکھو۔




تو جسم تو ختم ہی نہیں ہوگا پھر اگلا جسم کیسے بنے گا

عرض۔ "وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ" والی آیت حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی دلیل نہیں بنے گی؟

ارشاد۔ استثناء ہر جگہ ہوتا ہے، اس آیت میں "لَا يَرْجِعُوْنَ" ہے، لوٹ کر آنے کا تو مسئلہ ہے ہی نہیں، گئے، وہاں جا کر کیا کیفیت ہے حیات کی یہ مسئلہ ہے، اور حیات جب تک بدن میں ہے روح کا بدن سے تدبیری تعلق ہے اور قیامت کو ہر انسان ساٹھ (۶۰) ہاتھ کا ہوگا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جسم اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روح کا تعلق برقرار رہے، تو جسم تو ختم ہی نہیں ہوگا تو پھر اگلا جسم کیسے بنے گا۔

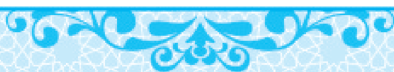
(اضافہ۔ حضرت رحمہ اللہ کی بخاری شریف کی درسی تقاریر کا مجموعہ "تحفۃ القاری،، میں کتاب المناقب کے حاشیہ میں ہے:

میں نے (یعنی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ) حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ، سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سے طالب علمی کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور کیفیت حیات کے بارے میں پوچھا تھا، حضرت نے فرمایا: لالٹین بجھانے کی تین صورتیں ہیں (اس زمانہ میں طلبہ لالٹین کی روشنی میں پڑھتے تھے)

(۱) لالٹین گل کر دی، بالکل بجھا دی

(۲) لالٹین مدہم کر دی، کمرے میں روشنی بالکل نہ رہی، مگر فی نفسہ جل رہی ہے

(۳) ساتھیوں کی طرف موٹا گتا لگا دیا کہ ادھر سے روشنی منقطع ہوگئی، اور پڑھنے والا



پڑھتا رہا۔

فرمایا اول عام مؤمنین اور عام انسانوں کی موت ہے، اور دوم شہداء کی، اور سوم انبیاء کرام کی، ان کی حیات کے آثار دنیا سے برزخ کی طرف پھیر دیئے جاتے ہیں، لیکن حیات بحالہ باقی رہتی ہے، پس دنیا کی طرف اس کا رخ نہیں رہتا، اس لئے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وفات کے بعد کوئی ان کی زیارت کرے تو وہ صحابی نہیں ہوگا۔

میں نے پوچھا حضرت اس کی کیا دلیل ہے کہ انبیاء کی حیات موت کے بعد بھی بحالہ باقی رہتی ہے؟ حضرت نے فرمایا روح کا بدن سے تدبیری تعلق ہے، جیسے بادشاہ کا ملک سے تدبیری تعلق ہے، جب تک روح بدن میں رہتی ہے بدن کو تین امتناعات حاصل ہوتے ہیں (۱) امتناع تخریب (۲) امتناع تزوتج (۳) امتناع توریث جب تک انسان زندہ ہے چاہے بے ہوش ہو، اس کا بدن گلتا سڑتا نہیں، اس کی بیوی سے کوئی نکاح نہیں کرسکتا، اور اس کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا، انبیاء کرام کو موت کے بعد بھی یہ تینوں امتناعات حاصل ہیں، روایات میں ہے کہ اللہ تعالی نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کردیا ہے، مٹی انبیاء کے اجسام کو کھاتی نہیں، اور انبیاء کی ازواج سے ان کی وفات کے بعد بھی کوئی نکاح نہیں کرسکتا اور انبیاء کے چھوڑے ہوئے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، یہ تین امتناعات دلیل ہیں کہ روح کا بدن سے تدبیری تعلق باقی ہے۔

جاننا چاہئے کہ حیات انبیاء کا عقیدہ بالاجمال ہی ماننا چاہئے تفصیل میں داخل نہیں ہونا چاہئے، پڑوسی ملک میں کچھ حضرات تفصیل میں داخل ہوئے تو حیاتی اور مماتی فرقے وجود میں آگئے، اور ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے، یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔

اس کی نظیر: صفات متشابہات کا مسئلہ ہے، سلف کا موقف تنزیہ مع التفویض ہے، یعنی "استوی علی العرش" کو مان لو، اور اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالہ کرو، البتہ بیمار اذہان کے لئے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نزدیک تاویل یعنی درجہ احتمال میں اللہ کے شایان شان صفات کا مطلب بیان کرنا جائز ہے، مگر پھر دونوں فریق علی طرفی نقیض ہوگئے، آج کے سلفی کمایلیق بشانہ،، کہتے جاتے ہیں، اور صفات کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ تجسیم اور تشبیہ تک پہنچ جاتے ہیں، اور متکلمین تاویل میں اتنے دور نکل جاتے ہیں کہ مبدأ کا ثبوت بھی نہیں مانتے، تاویل ہی تاویل رہ جاتی ہے، حالانکہ صحیح موقف یہ تھا کہ قرآن وحدیث میں جو صفات آئی ہیں وہ تسلیم کی جائیں اور ان کی کیفیت کو اللہ کے حوالہ کیا جائے، جیسے سورۃ الملک میں آیا ہے، "ءَ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ"، اس صفت کو ماننا ضروری ہے مگر اس کی کیفیت نہیں جان سکتے اور کوئی مناسب تاویل کرے اور کہے کہ علو (بلندی) مراد ہے تو یہ تاویل جائز ہے، صفت کا ثبوت ماننے کے ساتھ، اسی طرح حیات انبیاء کا عقیدہ اجماعی اور قطعی ہے، اس کا ماننا ضروری ہے، اور کیفیت کو اللہ کے حوالہ کرنا چاہئے، اس میں بحث نہیں کرنی چاہئے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے حجۃ اللہ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ ایسے نظری مسائل میں حق یہ ہے کہ ان کو نہ چھیڑا جائے اور اگر چھیڑا جائے تو ان کو حق وباطل کا معیار نہ بنایا جائے۔





مجبوری اور ضرورت کے بغیر دوسری زبان مت استعمال کرو

فرمایا کہ: لوگوں پر انگریزی کا بھوت اتنا سوار ہے توثیق کے لئے اس پر گواہوں کی دستخط تو دستخط کے لئے لکھتے ہے signature ارے بھائی! لفظ دستخط استعمال کرو signature لکھنے کی کیا ضرورت ہے، انگریزی والے تو انگریزی کے درمیان نہ اردو استعمال کرتے ہے نہ عربی، تو پھر عربی اور اردو والے کیوں انگریزی استعمال کرتے ہیں، ہاں کوئی لفظ ایسا ہے کہ پڑھنے والا اس کو سمجھ نہیں پائے گا اس کے دماغ کا ایک اسکرو ڈھیلا ہے اور اسکرو انگلش کا لفظ ہے تو screw کی spelling لکھ دے تاکہ وہ سمجھ جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اب دستخط کے لئے signature لکھنے کی کیا ضرورت ہے، سارا سمجھ رہا ہے دستخط بھی سمجھ رہا ہے، یہ انگریزی کا بھوت چڑھا ہوا ہے دماغوں کے اوپر، جو زبان لکھو خالص وہی لکھو، مجبوری اور ضرورت کے بغیر دوسری زبان مت گھسیڑو۔

جواب یہ ہے کہ دونوں کا حال یکساں ہے

حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ کی خدمت میں ایک عالم دین نے ان کی تصنیف جس میں قرض لینے اور دینے کے فضائل ومسائل پر بحث کی گئی تھی پیش کی، حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس کو چیدہ چیدہ مقامات سے دیکھا، ایک مقام پر نظر پڑی اس کو پڑھ کر آپ نے حاضرین سے سوال کیا کہ بتاؤ! مقروض مرنا فضیلت کی بات ہے، یا بے مقروض مرنا فضیلت کی بات ہے، پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس کتاب میں دو واقعے لکھے ہیں:

(۱) حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ

(۲)اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحب رحمہ اللہ کا لکھا ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو یہ دونوں حضرات مقروض نہیں تھے، پھر دلائل بیان کئے ہیں۔

ہم آقا کی سیرت پر نظر کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کی جب وفات ہوئی ہے تو آپ کے ذمہ یہودی کا قرضہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دوکان سے جَو خریدے تھے اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے یہاں گروی رکھی تھی، بعد میں ورثاء نے وہ قرضہ ادا کر کے زرہ واپس لی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تو یہ تھا، اب یہ فضائل میں بیان کررہے ہیں کہ قرضہ نہ ہو تو وہ بڑی اچھی موت ہے۔

بات یہ ہے کہ دونوں کا حال یکساں ہے، مقروض مرے تو کوئی فرق نہیں پڑتا، قرضہ نہ ہو تو کوئی فرق نہیں پڑتا، بس یہ شرط ہے کہ قرضہ کی بھرپائی ترکہ میں ہو، یا ورثاء بھرپائی کرے، تو پھر مقروض مرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر ترکہ نہیں ہے، یا ورثاء نالائق ہے تو پھر مقروض مرنا بہت برا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب زخمی کئے گئے تو اپنے بیٹے کو بلایا اور فرمایا کہ میرا قرضہ گن کتنا ہے، گن کر کہ بتایا گیا اسی (۸۰) سے کچھ اوپر چھیاسی (۸۶) ہزار کا قرضہ تھا تو فرمایا دیکھ! اگر میرے ترکہ سے یہ قرضہ ادا ہو جائے تو میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ سے ادا کر دینا، اور اگر ترکہ میں سے پورا نہ ہو تو تم میری اولاد مل کر اس کو ادا کر دینا، اور اگر میری اولاد سے بھی یہ قرضہ ادا نہ ہو سکے تو پھر میرے خاندان بنو عدی سے کہنا، اور اگر خاندان بھی پورا نہ کر سکے تو اس سے آگے نہ بڑھنا، حضرت عمرؓ کے ترکہ ہی سے سب قرضہ ادا ہو گیا تھا، تو معلوم ہوا مقروض مرنا کوئی برا نہیں ہے بشرطیکہ

ترکہ میں اور اولاد میں بھرپائی کرنے والا ہو۔

دیکھ بیٹے! مجھ پر اتنے قرضے ہیں کہ مجھے بھی نہیں معلوم

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، انتقال سے پہلے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا دیکھ بیٹے! مجھ پر اتنے قرضے ہیں کہ مجھے بھی نہیں معلوم، لہذا میرے مرنے کے بعد کوئی بھی آکر کہے کہ میرا زبیر کے اوپر قرضہ تھا تو اس سے ثبوت مت مانگنا، جو وہ مانگے اسے دیدینا، اور اگر تجھ سے کوئی قرضہ ادا نہ ہو پائے تو دو رکعت نماز پڑھنا اور یہ کہنا کہ اے زبیر کے مولی! ایک آدمی قرضہ مانگنے آیا ہے میرے پاس گنجائش نہیں ہے، یہ دعا کرنا، انہوں نے پوچھا ابا! آپ کے مولی کون ہے؟ اس زمانہ میں مولی آزاد کردہ غلام کو بھی کہتے تھے، اور آزاد کرنے والے کو بھی کہتے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تو حرالاصل تھے کسی نے ان کو آزاد تو کیا نہیں تھا، ان کا کوئی مولی نہیں تھا، اس لئے پوچھا کہ ابا! آپ کے مولی کون ہے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اللہ، ان سے کہنا کہ زبیر کا قرضہ ہے، قرضہ مانگنے والا آیا ہے میرے پاس گنجائش نہیں ہے، اے میرے مولی تو کچھ انتظام کردے، خیر، ان کی وفات کے بعد چار سال تک حج کے سیزن (موسم) میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا جو بھی قرضہ مانگتا اسے دیدیتے، پھر چار سال کے بعد ترکہ تقسیم کیا، ترکہ تھا پانچ کروڑ اٹھانوے لاکھ، چار بیویاں تھیں ایک ایک بیوی کو ترکہ بارہ، بارہ لاکھ ملا تھا، اتنے قرضے ادا کرنے کے بعد بھی، تو بھرپائی ترکہ میں نہ ہو یا اولاد ایسی نہ ہو جن سے امید واثق ہو کہ یہ قرضہ بھریں گے تو پھر مقروض مرنا ٹھیک نہیں ہے۔

آدمی کی روح مرنے کے بعد قرضہ میں پھنسی رہتی ہے

ترمذی میں حدیث ہے کہ آدمی کی روح مرنے کے بعد قرضہ میں پھنسی رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے وہ قرضہ ادا کردیا جائے، اس لئے دونوں حالتیں ٹھیک ہی ہیں، اللہ جس حالت میں رکھے وہی ٹھیک ہے، بے قرض ہونا نہ کوئی فضیلت کی بات ہے، نہ مقروض ہونا کوئی فضیلت کی بات ہے، حالات کے تابع ہے۔

آدمی کی فیملی بڑی ہوتی ہے یا کاروبار کرتا ہے تو مقروض ہوتا ہی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ آدمی کی فیملی بڑی ہوتی ہے، یا کاروبار کرتا ہے تو مقروض ہوتا ہی ہے، اب بڈھا (بوڑھا) ہوگیا اولاد کو سب سونپ دیا نہ کوئی لینا ہے، نہ دینا ہے، نہ کوئی کاروبار ہے، تو کہاں سے قرضہ ہوگا، اب اگر بے قرضہ ہے تو اس میں کیا فضیلت ہے، اب کہاں سے قرضہ آئے گا، یہ جو دو آدمی کے واقعے لکھے ہیں وہ بیچارے انتہائی بڑھاپے کے زمانہ کے ہیں، اس وقت ان پر کہاں سے قرضہ ہوگا، قرضے تو آتے ہیں جب لین دین ہو، یا گھر کی ذمہ داریاں ہو تب قرضے لینے بھی پڑتے ہیں، دینے بھی پڑتے ہیں، حضور کے نو گھر تھے تریسٹھ سال کی عمر تھی، تریسٹھ سال تو کچھ بھی نہیں ہوتے، اور سارے گھروں کو سنبھالے ہوئے حضور ہیں، نو گھر ہیں تو اتنے ہی غلام، خدام یہ سب ہوتے ہیں، اب اتنی بڑی فیملی لے کر آدمی چلے تو قرضہ تو ہوگا ہی۔

سارا قرضہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ادا کیا ہے

عرض۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے والد حضرت مولانا یحیی صاحب رحمہ اللہ بھی مقروض تھے؟

ارشاد۔ جی، وہ بھی بہت مقروض تھے، سارا قرضہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ادا کیا ہے،

حضرت مولانا یحیی صاحب رحمۃ اللہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کے خاص خادم تھے، خلیفہ بھی تھے، مظاہر علوم کے شیخ الحدیث تھے۔

تب تک ترکہ تقسیم نہیں ہوگا

عرض۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قصہ میں آیا کہ ترکہ کی تقسیم چار سال بعد کی گئی، تو کیا جب تک قرض داروں کا قرضہ ادا نہ کر دیا جائے ترکہ کی تقسیم نہ ہوگی؟

ارشاد۔ اب قرضہ مانگنے والوں کا پتہ ہی نہیں کب آئیں گے، تو جب تک مایوسی نہ ہو جائے کہ قرضہ مانگنے والا کوئی نہیں رہا ہوگا تب تک ترکہ تقسیم نہیں ہوگا، اور اس سے پہلے اگر ترکہ تقسیم کیا اور قرضہ مانگنے والے آئے تو کہاں سے لا کر دو گے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی ورثاء نے مطالبہ کیا تھا کہ ترکہ تقسیم کرو، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا تھا کہ چار سال بعد تقسیم کروں گا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ میں دس مکان تھے، مصر میں بھی کچھ مکان تھے اس کے علاوہ اور دوسری جگہوں پر بھی کچھ مکان تھے ان مکانوں کی یہ قیمت بنی ہے، نقد رقم اتنی نہیں تھی۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
آپ ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

مقبول جو ہوں شاذ ہیں، قابل تو بہت ہیں
آئینہ کے مانند ہیں کم، دل تو بہت ہیں

آتی ہی رہے گی آپ کے انفاس کی خوشبو
آپ کی یادوں کا چراغ جلتا ہی رہے گا

سعید جمع ہیں احباب حال دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

(امیر مینائی بتغیر)

آئین جواں مردی حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(علامہ اقبال)

آپ حق گوئی کی جو چاہیں سزا دیں مجھ کو
تم لوگ جیسے ہو ویسا ہی کہا ہے میں نے

(قصری کانپوری بتغیر)

چاند اور نماز کے اوقات کا مسئلہ مجھ سے مت پوچھو

عرض۔ برطانیہ میں موسم گرما میں کچھ ایام ایسے آتے ہیں جن میں اندازے سے نماز کا وقت متعین کیا جاتا ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

ارشاد۔ یہ مسئلہ اپنے یہاں کے مفتیوں سے پوچھو، مجھ سے مت پوچھو، چاند اور نماز کے اوقات کا مسئلہ مجھ سے مت پوچھو۔

دو یا زیادہ مرکز بناؤ گے تو لڑ مرو گے

فرمایا کہ میں نے بیان میں سمجھایا تھا کہ اہل السنۃ والجماعت کا مرکز ایک ہے، دو یا زیادہ مرکز بناؤ گے تو لڑ مرو گے، دار العلوم دیوبند اس بارے میں فتوی دے چکا ہے وہ فتوی ڈھونڈو، اور اگر وہ فتوی تمہیں نہیں مل رہا، یا آپ کو معلوم نہیں ہے تو دار العلوم دیوبند سے پوچھو، اب ہوتا کیا ہے، کوئی مولانا تقی صاحب سے پوچھ رہا ہے، کوئی

کسی اور ادارے سے پوچھ رہا ہے، یہاں سے بھی پوچھ رہے ہیں، وہاں سے بھی پوچھ رہے ہیں، ارے! مرکز ایک ہے، یہ سب بڑے لوگ ہیں ان سب کو دار العلوم دیو بند کے تابع رہنا ہے، جو دیو بندی ہے ان سب کو دار العلوم دیو بند کے تابع رہنا ہے، یہ جو تم نے کسی نے یہاں پوچھ لیا، کسی نے وہاں پوچھ لیا، کسی نے وہاں پوچھ لیا، تو جواب مختلف آئے گا، اب تم آپس میں لڑو گے، یہ جو مرکز نظام الدین دہلی نے تشدد پیدا کر دیا ہے، ابھی کانپور کے علماء کا دار العلوم میں مرکز نظام الدین کے تعلق سے ایک سوال آیا تھا، اس استفتاء کا جواب میں نے لکھا ہے، میں نے اس میں تمہید میں لکھا ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مرکز ایک ہے، اگر دو مرکز ہو جائیں گے دار العلوم دیو بند اور مرکز نظام الدین (دہلی) تو آہستہ آہستہ دو پارٹی ہو جائے گی (افسوس بعد میں واقعۃً ایسا ہی ہوا جس کا خدشہ حضرتؒ نے ظاہر کیا تھا) مظاہر علوم (سہارنپور) بھی دار العلوم دیو بند کے تابع ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے جس میں دار العلوم اور مظاہر علوم کی رائے الگ ہو، یہی حال ندوہ والوں کا ہے۔

ایک کھونٹے سے بندھے نہیں رہو گے تو کبھی بھی اتحاد نہیں رہ سکتا

تمہارے ملک میں کوئی دار العلوم بری سے پوچھ رہا ہے، کوئی دار العلوم ڈیوز بری سے پوچھ رہا ہے، کوئی دیو بند سے پوچھ رہا ہے، کوئی مولوی یعقوب صاحب کاوی (مقیم ڈیوز بری، برطانیہ) سے پوچھ رہا ہے، تو اب جواب مختلف آئیں گے، جب جواب مختلف آئیں گے تو لڑ مرو گے، ایک کھونٹے سے بندھو تو اتحاد رہ سکے گا، اور ایک کھونٹے سے بندھے نہیں رہو گے تو کبھی بھی اتحاد نہیں رہ سکتا، ہمارا انڈیا آبادی کے اعتبار سے کتنا بڑا ہے، وہاں بے شمار دار العلوم ہے ہر ایک کا دار الافتاء بھی ہے سب کچھ

ہے، مگر کھونٹا سب کا دار العلوم دیوبند ہے، اب مرکز نظام الدین نے اپنا مرکز الگ کیا ہے، تو اس کی وجہ سے علماء اور تبلیغ والوں میں سخت اختلافات شروع ہو گئے ہیں، پس اگر مرکز نظام الدین والے اپنا مرکز دیوبند کو بنائیں گے تو اختلاف ختم ہو گا، اور اگر اپنا مرکز الگ رکھیں گے تو دو پارٹیاں بن جائے گی، اس ملک کا المیہ بھائیوں یہی ہے کہ تم کسی کھونٹے سے بندھے ہوئے نہیں ہو۔

مسجد کے دستور میں دیوبند کا لفظ رکھا تھا بعد میں بری گھسا دیا

میں نے اس مسجد (مسجد قبا، لندن) کے دستور میں دیوبند کا لفظ رکھا تھا میرے بعد اس میں بری گھسا دیا، اب سوچو! ایک مسئلہ ہے جس کے متعلق دیوبند ایک بات کہتا ہے، دار العلوم بری کی رائے اس سے الگ ہے، مسجد والے کس کا فالو کریں گے، آدھے اس طرف جائیں گے، آدھے اس طرف جائیں گے، تو دو پارٹیاں ہو گی ہی۔

دیوبند کا جھگڑا ہوا تو ساری دنیا ہل گئی

دنیا میں سارے اداروں کے جھگڑے ہوتے ہیں، دار العلوم دیوبند کا جھگڑا ہوا تو ساری دنیا ہل گئی، کیوں؟ وہ ساری دنیا کا مرکز ہے، تمہارے نزدیک دار العلوم دیوبند کا فتوی، دار العلوم بری کا فتوی، مولانا تقی صاحب مدظلہ کا فتوی سب برابر ہو گئے، تو اب تو اختلافات ہونا ہی ہے۔

اس کا دس گنا تمہیں یاد ہونا چاہئے

عرض۔ حضرت! سبق کی تیاری کے بارے میں کچھ ہدایات۔

ارشاد۔ تیاری کرو، یہی ہدایات ہے، تیاری کر کے پھر پڑھانے جاؤ، اور تیاری میں یہ بات داخل ہے جو سبق تم طالب علموں کو پڑھاؤ، وہ اس کو جتنا یاد ہے اس کا دس گنا تمہیں یاد ہونا چاہئے، اور وہ کتاب اگر تمہیں یاد نہیں ہے تو تم نے پڑھایا ہی نہیں ہے، پڑھا دیا اور خود بھول گئے اور پھر اس کا امتحان لے رہے ہیں، ارے! تم تو بھول گئے اس کا کیا امتحان لے رہے ہو؟

ایک ہفتہ سبق یاد کرنے کے بعد پھر وہ سبق پڑھاتا تھا

جب میں مدرس بن کر دار العلوم اشرفیہ، راندیر میں گیا تو میرا "اصول فقہ،، کمزور تھا، ہر طالب علم کا ہمارے مدرسوں میں "اصول فقہ،، کمزور ہوتا ہی ہے، مجھے پہلے سال "نور الانوار،، پڑھانے کے لئے ملی، میں مطالعہ کر کے پورا سبق کاغذ پر لکھتا تھا اور لکھ کر کہ پھر اسے ایک ہفتہ تک یاد کرتا تھا ایک ہفتہ یاد کرنے کے بعد اسے پڑھاتا تھا، اور پھر بڑے صفحہ میں سے چھوٹا پرچہ بناتا تھا وہ پرچہ جیب میں رکھتا تھا مسجد آتے جاتے اسی مضمون کو دماغ میں گھماتا تھا، پھر وہ سارے پرچے جو سبق گذر گیا وہ محفوظ رکھتا تھا، اور ہر جمعرات کو وہ سارے پرچے پڑھتا تھا۔

ترمذی شریف اور ہدایہ آخرین کا انداز تدریس

پھر جب میں نے دار العلوم اشرفیہ میں "ترمذی شریف،، پڑھائی تو اتنی عبارت میں رٹ کر جاتا تھا کہ "ترمذی شریف،، سامنے رکھے بغیر میں پڑھاتا تھا، میں

حفظ پڑھ تو نہیں سکتا تھا لیکن طالب علم غلطی کرتا تو میں فوراً اسے ٹوکتا تھا اتنی میں نے رٹ رکھی تھی، ترمذی شریف میں نے اسی طرح پڑھائی ہے، ایسے ہی "ہدایہ آخرین"، جب پڑھائی تو بھی اتنی محنت کی تھی میں نے کے کتاب کو سامنے رکھے بغیر پڑھاتا تھا۔

(اضافہ۔ حضرت مولانا یوسف متالا صاحب نور اللہ مرقدہ کے مواعظ میں ہے فرمایا کہ: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ "بخاری شریف"، ایک شان سے پڑھاتے تھے، بڑے بڑے علماء حضرت کے درس میں شرکت کے متمنی رہتے تھے، حضرت سارے سال میں کبھی کبھی بخاری شریف کھولتے تھے، ورنہ بند رہتی تھی، حفظ پڑھاتے تھے۔ (جمال محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گاہیں، ص۳۳۱)

نیز فرمایا کہ "بخاری شریف"، کے تیس پارے ہیں، حضرت نے ہر پارے کی الگ الگ جلد بنوائی تھی، پوری کتاب لے جانے کے بجائے وہ ایک ایک پارہ ایک ایک جلد میں تھا، وہ ہم بخاری شریف کے سبق میں حضرت کے لئے ساتھ لے جایا کرتے تھے، جیسے ہی حضرت کو ہم گھر سے لے کر چلتے تھے وہیل چیر میں تو حضرت کا سوال ہوتا تھا کہ پارہ لے لیا؟

لیکن یہ پارہ یہ کتاب سارے سال بند رہتی تھی اور حضرت کو بخاری شریف کا استحضار اس قدر تھا کہ حضرت فرماتے تھے کہ میرے پیارو! دیکھو داہنی طرف سے تیس ورق الٹو، نیچے سے چوتھی سطر دیکھو، اس سطر کے بالکل وسط میں یہ عبارت ہے، پھر عبارت پڑھتے تھے، کبھی فرماتے کہ الٹی طرف سے دس ورق الٹو، سب سے پہلی سطر میں یہ عبارت ہے، تو جس طرح حافظ قرآن کے ذہن میں پورا قرآن شریف ہوتا ہے کہ ہر صفحے پر کونسی آیت کہاں سے شروع ہوتی ہے اس کے ذہن میں ہوتا ہے، صفحہ کے

ختم پر کونسا کلمہ ہے یہ یاد ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح "حضرت شیخؒ" کو بخاری شریف یاد تھی،، اس لئے درس کے وقت بخاری شریف کھولنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

نیز فرمایا کہ: یہی حال حافظ حدیث حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستیؒ کا تھا، وہ "ترمذی شریف،، کے پورے حافظ تھے، ہر ہر حدیث ترمذی شریف کی ان کو سند کے ساتھ حفظ تھیں (جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم درس بخاری شریف کے آئینہ میں ج ۲ ص ۱۳۰، ۱۳۱ بتغیر)



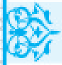
میں تو اپنے لئے کر رہا ہوں



مولانا ہاشم بخاری صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ارے! یہ تو بیوقوف طالب علم ہے ان کے لئے کیا اتنی محنت کرنا، تو میں کہا کرتا تھا کہ حضرت! میں ان کے لئے محنت نہیں کرتا، میں تو اپنے لئے کر رہا ہوں، تو پڑھانے کے لئے سب سے پہلے یہ ہے کہ خود پڑھو اور خوب پڑھو، پڑھانے سے علم نہیں آئے گا، پڑھنے سے علم آئے گا۔



حفظ کرانے سے پہلے خود حفظ کرتا تھا



بلکہ بعض کتابیں تو میں حفظ کراتا تھا، مثلاً "تہذیب،، پڑھانے سے پہلے طلباء کو حفظ کراتا تھا، مگر حفظ کرانے سے پہلے خود حفظ کرتا تھا، مجھے حفظ ہوگی تو میرا طالب علم حفظ کرے گا اگر مجھے حفظ نہیں تو طالب علم حفظ نہیں کر سکتا، میری بس ایک ہی ہدایت ہے پڑھانے کے لئے پڑھو، پڑھ کر پھر پڑھاؤ، محض پڑھاؤ نہیں، کسی نہ کسی دن تمہیں علم آئے گا، اور اگر محض پڑھاتے رہے تو قیامت تک علم نہیں آئے گا۔



تیسرے سال تو مجھے دورہ کی کتابیں مل گئی تھی



عرض۔ حضرت! آپ نے دار العلوم دیوبند میں شروع سے درجہ علیا کی کتابوں کا درس دیا ہے۔

ارشاد۔ پہلے سال مجھے جو کتابیں پڑھانے کے لئے دی گئی تھی وہ تھی "سلم العلوم،، "مسلم الثبوت،، اور" جلالین،، اگلے سال اوراوپر ترقی ہوگئی اور تیسرے سال تو مجھے دورہ کی کتابیں مل گئی تھی۔

(اضافہ۔تحفۃ الالمعی ج ۴ ص۵۴۶ پر ہے، فرمایا کہ: جب میں یہاں (دار العلوم دیوبند میں) مدرس ہوکر آیا تو مجھے پہلے سال میں جو کتابیں ملیں ان میں "مسلم الثبوت،، بھی تھی، میں نے اپنے کرم فرما" حکیم سعد رشید اجمیری صاحبؒ،، کو کتابیں لکھیں، تو ان کا جواب آیا آپ کی حیثیت دار العلوم میں "مسلم الثبوت،، ہوگئی، یہ نیک فال تھا اس کو اسلام پسند کرتا ہے کیونکہ اس سے اللہ پر اعتماد بڑھتا ہے)

مجھے "قاعدہ،، بھی "قاعدے،، سے پڑھانا آتا ہے

نیچے کے درجہ کی کتابیں میں نے نہیں پڑھائی، نیچے کی تو الف، بے سے ساری کتابیں میں نے اپنے بچوں کو اور دوسرے طالب علموں کو پڑھا رکھا ہے، الف، بے قاعدے سے میں نے پڑھایا ہے، وہ بھی مجھے پڑھانا آتا ہے۔

ایک پوتا میرے پاس بوستاں پڑھتا ہے

میں اپنے سب بچوں کو" عربی سوم،، میں دار العلوم میں داخل کرتا تھا، عربی دوم تک گھر میں ہی پڑھاتا تھا، اور خود ہی پڑھاتا تھا، اور اب بھی پوتوں کو پڑھاتا ہوں، نیچے کے کچھ لڑکے تو میرے نکل گئے لیکن ایک پوتا ہے میرے پاس بوستاں پڑھتا ہے۔

اب پوتوں کو پڑھا رہا ہوں

مدرسوں میں تو نیچے کی کتابیں پڑھانے کا موقعہ ملا نہیں، دار العلوم اشرفیہ میں بھی "ابوداؤد شریف،، سے پڑھانا شروع کیا، تو میں نے اسی وقت سوچا تھا کہ نیچے کی

کتابیں بھی پڑھاؤں گا،مولوی اسماعیل کی اردو کی پانچ کتابیں تو میں نے کئی مرتبہ پڑھائی ہے،تو پہلے بھائیوں کو پڑھایا وہ نکل گئے تو بچوں کو پڑھایا اب پوتوں کو پڑھارہاہوں اور بالکل نیچے سے پڑھاتاہوں۔



پہلے تو میں حفظ بھی کراتا تھا



پہلے تو میں حفظ بھی کراتا تھا، جب تک میرے بچے تھے تو حفظ کراتا تھا، میرے گھر میں سے بھی حافظ تھیں،تو گھر والی بچوں کا دور سن لیتی تھی سبق اور سبق پارہ میں ان کو پیچھے کے چار سبق سنانے ہوتے تھے، وہ میں فجر کی نماز پڑھتے ہی فوراً آکر سنتا تھا،ترتیب یہ تھی کہ صبح صادق کے وقت گھر والی بیدار ہوجاتی تھی اور پھر وہ سب بچوں کو جگاتی تھی اور ان کو یاد کراتی تھی، پھر پوتوں کا دور آگیا تو اب میں نہیں سنتا ان کی مائیں جو حافظ ہیں وہ خود ان کا قرآن شریف سنتی ہیں۔



یہ بائبل سے نکلی ہوئی بات ہے

حضرت رحمۃ اللہ نے اپنی تقریر میں یہ بات بیان کی کہ یہ بات جو مشہور ہے کہ حضرت حواؓ حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی، یہ بائبل سے نکلی ہوئی بات ہے، اور روایت میں جو کہا گیا ہے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے وہ مجازاً کہا ہے۔

ایک مثال سے وضاحت

حضرت رحمۃ اللہ کی تقریر کے بعد ایک عالم نے حضرت رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ قرآن کریم میں ہے "خلقکم من نفس واحدۃ ثم جعل منھا زوجھا" "منھا"، سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ان کو پیدا کیا گیا۔

جواب میں حضرت رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اس کی مثال "تربوز"، کی طرح ہے کہ گویا ایک حصہ حضرت آدم علیہ السلام تھے اور اسی میں سے "حضرت حواؓ"، تو گویا وہ ایک دوسرے کے لئے تربوز کا ایک ایک جز تھے، "خلق منھا"، سے یہ مراد ہے، نہ یہ کہ ان کے جسم کے کسی عضو سے ان کو پیدا کیا گیا۔

(اضافہ۔ تحفۃ الالمعی ج ۴ ص ۸۱ تا ۸۴ پر ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ کالضلع ان ذھبت تقیمھا کسرتھا وان ترکتھا استمتعت بھا علی عوج۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک عورت پسلی کی طرح ہے، اور متفق علیہ حدیث میں ہے کہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلیوں میں سب سے ٹیڑھی پسلی

اوپر کی ہے، یعنی اس نہایت کج پسلی سے عورتیں پیدا کی گئی ہیں، اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو اس کو توڑ بیٹھوگے، اور اگر اس کو چھوڑ دوگے تو اس سے کجی کے باوجود فائدہ اٹھاتے رہوگے۔

تشریح۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کجی ہے، جس طرح پسلی کی فطرت میں کجی ہے، لہٰذا مرد کو عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہئے، اس کے درپے نہیں ہونا چاہئے کہ اس کو سیدھا کر کے چھوڑے، یہ بات ناممکن ہے، اگر ایسا چاہے گا تو وہ پسلی کو توڑ بیٹھے گا، اور اس کا توڑنا یہ ہے کہ طلاق کی نوبت آجائے گی، مسلم شریف میں ہے "وکسرھا طلاقھا"، اور عورت کو توڑ دینا اس کو طلاق دینا ہے، اس لئے مردوں کو چاہئے کہ ان کی معمولی غلطیوں کو نظر انداز کریں اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں، اس طرح وہ عورت سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں مدارات کا بیان ہے، مداہنت کا نہیں، اگر عورت کی چال چلن صحیح نہ ہو، یا عورت نافرمان ہو اور اس کے نشوز کا علاج مقصود ہو یا اس قسم کی کوئی اور بات پیش نظر ہو تو سخت معاملہ بھی کیا جا سکتا ہے، قرآن کریم میں اور احادیث میں اس کی صراحت ہے۔

(۲) اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے بلکہ نسوانی فطرت میں نہایت کجی کی تمثیل ہے، عام طور پر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان ہے یعنی عورت شوہر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے، بہت سی عورتیں زندگی بھر شادی نہیں کرتیں، اور بعض عورتیں شوہر سے پہلے پیدا ہوتی ہیں وہ کس کی پسلی سے پیدا ہوتی ہیں؟ غرض یہ بات بدیہی البطلان ہے، اور قرآن وحدیث

میں اس سلسلہ میں کوئی واضح بات نہیں، اور سورۃ النساء کی پہلی آیت میں جو "خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ"، آیا ہے اس سے نفس انسانی مراد ہے، حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کا وہاں صراحۃً ذکر نہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی اصطلاح میں یہ روح اعظم (انسان اکبر) ہے، عالم مثال میں اس کا وجود ہے، اور تمام انسان مذکر بھی اور مؤنث بھی اسی کے افراد ہیں، اور بعد از مرگ سب اسی میں جا کر مل جاتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر صنف کا جوڑا اسی صنف سے پیدا کیا گیا ہے، اسی صورت میں باہمی مودت و رحمت کا تحقق ہوسکتا ہے، اگر انسان کا جوڑا بھینس یا بکری ہوتی تو باہم کیا موافقت ہوتی؟ آیت کریمہ میں یہی مضمون ہے کہ اللہ نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی نفس انسانی سے پیدا کیا ہے پھر ان دونوں سے نسل پھیلائی ہے۔

لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت حواءؓ حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی بائیں جانب کی سب سے اوپر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، یہ تصور بائبل (کتاب پیدائش باب ۲ آیات ۲۲۔۲۴) کا ہے، پھر وہاں سے اسلامی روایات میں آیا ہے، جبکہ روح المعانی میں سورۃ النساء کی اسی آیت کی تفسیر میں حاشیہ میں خود مفسر نے امام باقر رَحِمَهُ اللهُ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مٹی سے حضرت آدم عَلَيْهِمُ السَّلَامُ پیدا کئے گئے تھے اس کے باقی ماندہ سے حضرت حواءؓ پیدا کی گئی تھیں، اور یہی بات قرین عقل ہے، تمام حیوانات جن میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہے ان کے پہلے افراد (مذکر و مؤنث) مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں، کوئی مادہ، نر کی پسلی سے نہیں پیدا کی گئی۔ واللہ اعلم

وضاحت۔ مدارات کے معنی ہیں، رکھ رکھاؤ، طرح دینا، خاطر کرنا، اس طرح معاملہ کرنا کہ نہ سانپ بچے نہ لاٹھی ٹوٹے، حافظ شیرازیؒ کے ایک شعر سے یہ بات خوب سمجھ میں

آجائے گی،فرماتے ہیں۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

بادوستاں تلطف ، بادشمناں مدارا

یعنی دونوں جہاں کا آرام ان دو باتوں میں مضمر ہے،دوستوں کے ساتھ نرمی اور دشمنوں کے ساتھ وضع داری،اسی طرح بیویوں کے ساتھ بڑا اپن برتا جائے اور اوچھا معاملہ نہ کیا جائے تو گاڑی پٹری سے اترنے نہیں پائے گی۔







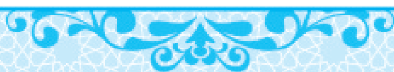
ندوۃ العلماء کے لئے تدریسی خدمت کی پیشکش



فرمایا کہ: جب میں دار العلوم اشرفیہ، راندیر میں مدرس تھا اس وقت مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ کی جانب سے مجھے خط پہنچا کہ میری چاہت ہے کہ تم ندوۃ العلماء لکھنؤ آ کر تدریسی خدمت انجام دو، حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے جوابی خط لکھا کہ مجھے آپ کی دعوت منظور ہے، ان شاء اللہ میں رمضان المبارک کے بعد حاضر ہو جاؤں گا، فرمایا کہ پھر کچھ دن بعد میں نے معذرت کا خط لکھا کہ میں رمضان المبارک کے بعد ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمت شروع نہیں کر سکتا۔

اس پر حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمہ اللہ نے مجھ کو بمبئی بلایا، بمبئی اس لئے بلایا کہ حضرت مولانا کسی کام سے بمبئی آ رہے تھے، میں نے ندوۃ العلماء جانے کی حامی اس لئے بھر لی تھی کہ مجھے مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ سے خوب عقیدت و محبت تھی، میں نے سوچا کہ ندوۃ العلماء میں تدریس کا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ سے قربت ہوگی اور اس طرح آپ سے استفادہ کے خوب مواقع میسر آئیں گے، خیر، بمبئی میں حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، ملاقات ہونے پر حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا کہ پہلے تو تم ندوۃ العلماء مدرس بن کر آنے پر رضامند ہو گئے تھے، اب کیوں منع کر رہے ہو؟

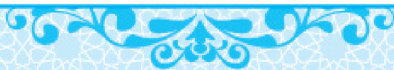
اس پر میں نے عرض کیا کہ آپ اگر مجھے اس سے معذور رکھے تو مہربانی ہوگی، اس جواب سے حضرت مولانا علی میاں صاحب کو تشفی نہیں ہوئی، اور حضرت رحمہ اللہ کا اصرار رہا کہ میں انہیں انکار کی وجہ بتاؤں، اس پر مجھے انہیں انکار کی وجہ بتانا پڑا۔






کہیں یہ انگلش میرا راستہ نہ مار دے

فرمایا کہ: درالعلوم اشرفیہ، راندیر کی مدرسی کے دوران میں نے تھوڑی بہت انگریزی زبان سیکھ لی اور یہ ارادہ کیا کہ علیگڈھ یونیورسٹی جا کر امتحان دوں، اس کے لئے میں نے درخواست بھی بھیجدی تھی اور درخواست منظور بھی ہوگئی تھی، علیگڈھ جانے کے لئے میں نے سورت سے ٹرین کی بکنگ بھی کروالی تھی، یہ سب ہو چکا کہ ایک دم اللہ تعالی نے دل میں بات ڈالی کہ کہیں یہ انگلش میرا راستہ نہ مار دے، اور اس کی وجہ سے میں دین کی خدمت چھوڑ کر کسی اور کام میں نہ لگ جاؤں دل میں اس بات کا آنا تھا کہ میں نے وہ پروگرام cancel کر دیا۔



بڑا پن

ہماری مسجد کے ایک مصلی تھے حاجی عثمان چچا کاپڈیا مرحوم انڈیا میں سورت کے رہنے والے تھے، وہ عمر رسیدہ ہو چکے تھے اس وقت کا واقعہ ہے وہ ایک دن حضرت سے ملاقات کے لئے حضرت رحمہ اللہ جس کمرہ میں تشریف فرما تھے پہنچے، اس وقت حضرت خود بھی بیمار چل رہے تھے، زمین پر بیٹھنے میں کافی مشقت ہوتی تھی اس لئے حضرت رحمہ اللہ کرسی پر بیٹھتے تھے (ورنہ عام حالت میں آپ اپنے روم میں فرش پر ہی بیٹھتے تھے یا پھر اپنے بستر پر بیٹھتے تھے، ویسے بستر پر بیٹھنا بہت ہی کم ہوتا تھا ورنہ عموماً آپ کی نشست فرش پر ہی ہوتی تھی)

خیر، حاجی صاحب جیسے ہی کمرہ میں داخل ہوئے آپ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑے میاں کو اس کرسی پر بٹھایا، ان کی عمر کا لحاظ رکھا، حالانکہ حضرتؒ یہ بھی کر سکتے تھے کہ کسی سے کہہ کر دوسری کرسی منگوا لیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا ان کو اپنی کرسی پر بٹھایا اور خود فرش پر بیٹھ گئے، واقعی یہ آپ کا بڑا پن تھا۔

میں اپنا کام جہاں تک ہوسکتا ہے خود ہی کرتا ہوں

حضرت رحمہ اللہ جب اپنے کمرہ سے نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تو آپ کا عربی رومال جہاں رکھا ہوتا وہاں سے حضرت رحمہ اللہ خود ہی اٹھاتے تھے، حاضرین میں سے کوئی یہ خدمت کرنا چاہتا تو اسے سختی سے منع کر دیتے، کئی مرتبہ یہ کوشش کی گئی تو اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ میں خود لے لوں گا، میں اپنا کام جہاں تک ہوسکتا ہے خود ہی کرتا ہوں۔

اپنے جوتے بھی عند الضرورت خود ہی اٹھانا پسند کرتے

اسی طرح مسجد سے باہر کسی کام کے لئے جانا ہوتا تو اس وقت بھی اس بات کو نا پسند کرتے کہ آپ کے جوتے کوئی اور اٹھا کر چلے، خود ہی اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھا کر دروازے تک لے جاتے، ویسے آپ کے نہ چاہنے اور ناپسند کرنے پر بھی بعض حضرات اس خدمت کی سعادت حاصل کر لیتے تھے۔

خود ہی کمرہ میں تشریف لا کر ٹاوَل سے اعضاء وضو خشک کرتے

اسی طرح وضو میں بھی آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ کوئی خادم آپ کے اعضاء وضو خشک کرنے کے لئے تولیہ ہاتھ میں لے کر آپ کے فراغت کے انتظار میں آپ کے لئے کھڑا رہے، وضو سے فارغ ہو کر خود ہی کمرہ میں تشریف لا کر تولیہ سے اعضاء وضو خشک کرتے تھے۔

خود ہی نل پر جا کر ہاتھ دھوآتے

اسی طرح کھانا کھانے سے پہلے اور کھانے سے فراغت پر اگر سب کو ایک خاص برتن میں ہاتھ دھلوائے جاتے تب تو آپ بھی اس برتن میں ہاتھ دھو لیتے، ورنہ اپنے لئے خصوصیت سے اس عمل کے اہتمام کو پسند نہیں کرتے تھے، خود نل پر جا کر ہاتھ دھوتے تھے۔

اب میں مسجد سے باہر رمضان المبارک کے بعد ہی نکلوں گا

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی جب ہماری مسجد آمد ہوتی تو جیسے ہی رمضان المبارک شروع ہوتا آپ اپنے جوتے اٹھا کر ایک خاص جگہ رکھ دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ویسے تو میں اعتکاف میں نہیں ہوں لیکن ایک اعتبار سے اب معتکف ہو گیا ہوں، اب

میں مسجد سے باہر رمضان المبارک کے بعد ہی نکلوں گا، اور واقعی معاملہ ایسا ہی ہوتا تھا، آپ بغیر ضرورت رمضان المبارک میں مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے، نہ چہل قدمی کے لئے اور نہ ہی تفریح کے لئے، ہاں! آپ کو رمضان المبارک میں پڑوس کے علاقہ میں تقریر کے لئے جانا ہوتا تو تشریف لے جاتے، یا پھر ڈاکٹر کے پاس یا ہسپتال جانے کی نوبت آتی تو مسجد سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔



ڈاکٹر صاحب کی اہل علم سے محبت



یہاں ایک بات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ حضرت کا سفر برطانیہ میں طبی لائن سے چیک اپ (معائنہ) جو ڈاکٹر کرتے تھے وہ تھے "ڈاکٹر عبد الحفیظ پٹھان،، اللہ پاک نے موصوف کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے ان میں سے ایک خوبی ہے اہل علم کا عزت و احترام، موصوف نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی برطانیہ کے سفر میں طبی لائن سے خوب خدمت کی ہے، اللہ تعالی ان کو اور ان کی فیملی کو اس حسن سلوک کا دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے، موصوف نے جو بھی طبی امداد کی وہ سب للہ، فی اللہ کی، خاص بات یہ تھی کہ وہ حضرت مفتی صاحب کو اپنے شفا خانہ میں طلب نہیں کرتے تھے، موصوف خود اپنی سرجری سے چل کر حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔





رمضان میں قرآن کے علاوہ میں کوئی کتاب نہیں پڑھتا

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ)

حضرت رحمۃ اللہ کی انڈیا سے جب بھی برطانیہ ہماری مسجد آمد ہوتی تو فرماتے کہ مجھے یہاں (مسجد قبا) آکر بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ میرا دوسرا گھر ہے، رمضان المبارک میں آپ نہ تصنیف وتالیف کا کام کرتے تھے اور نہ ہی قرآن کریم کی تلاوت کے علاوہ کسی اور کتاب کا مطالعہ کرتے تھے ہاں! عند الضرورت "معارف القرآن،، بہشتی زیور،، اور" مشکوۃ شریف،، کا مطالعہ کرتے تھے، الغرض! آپ کا معمول رمضان المبارک میں صرف اور صرف قرآن کریم کی تلاوت کا تھا، رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت آپ کمرہ اندر سے بند کردیتے تھے اور تلاوت قدرے زور سے کرتے تھے، زور سے تلاوت کرنے کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ میں نے بڑی عمر میں حفظ کیا ہے اس لئے مجھے زور سے پڑھنا پڑتا ہے تبھی مجھے یاد ہوتا ہے۔

ہدیہ

رمضان المبارک میں ہماری مسجد میں جو حفاظ تراویح میں قرآن کریم سناتے تھے ان میں سے حضرت رحمۃ اللہ کو جس کا قرآن کریم پڑھنا (سنانا) پسند آتا آپ اسے اپنی جیب خاص سے کچھ نقد رقم بطور ہدیہ عنایت فرماتے تھے۔

میں نے قرآن کریم کو اس نقطۂ نظر سے پڑھا ہی نہیں ہے

عرض۔ اعجاز قرآن اور بلاغت قرآن کو سمجھنے کے لئے کونسی تفسیر دیکھنی چاہئے۔

ارشاد۔ اس نقطۂ نظر سے کونسی تفسیر اہم ہے مجھے نہیں معلوم، کیونکہ میں نے قرآن کریم کو اس نقطۂ نظر سے پڑھا ہی نہیں ہے، میں نے تو ہدایت کے نقطۂ نظر سے پڑھا ہے، جو لوگ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا یقین نہیں رکھتے وہ پڑھے اس نقطۂ نظر سے تا کہ ان کو یقین پیدا ہو جائے، مجھے تو یقین ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس لئے میں نے تو ہدایت کے نقطۂ نظر سے پڑھا ہے، بلاغت کے نقطۂ نظر سے پڑھا ہی نہیں، ضمناً بلاغت کی کوئی بات آجائے پڑھ لیتے ہیں، لیکن اس نقطۂ نظر سے میں نے نہیں پڑھا، میں تو ہدایت کے نقطۂ نظر سے پڑھتا ہوں۔

کوئی شخص اپنی توانائیاں خرچ کرنا چاہے اس موضوع پر تو کرے

دو باتوں میں فرق سمجھ میں آیا، بلاغت کے نقطۂ نظر سے وہ پڑھے گا جسے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر یقین نہیں ہے، وہ اس سے متاثر ہو کر اسے کلام الٰہی مانے گا میں تو already مانتا ہوں، اور پکا مانتا ہوں، مجھے اس نقطۂ نظر سے پڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اگر کوئی اس نظر سے پڑھنا چاہے پڑھے، میں منع نہیں کر رہا میں اپنا حال بتا رہا ہوں، بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر لکھا بھی ہے، مگر مجھے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر پورا یقین ہے اس لئے مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن کوئی شخص اپنی توانائیاں خرچ کرنا چاہے اس موضوع پر تو کرے، اگلوں نے بھی کی ہے تم بھی کرو، اور اس نقطۂ نظر سے بھی تفسیر خود ہی پڑھو، اور خود ہی فیصلہ کرو میں نے نہیں پڑھی

ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ میں نے تو کوئی تفسیر ہی نہیں پڑھی ہے، اپنے بزرگوں کی "بیان القرآن،، اور "فوائد شبیریہ،، پڑھے ہیں اور پھر جہاں کوئی الجھن پیش آتی ہے وہاں روح المعانی یا ابن کثیر دیکھتا ہوں۔



کونسی تفسیر مطالعہ میں رکھنی چاہئے؟



عرض۔کونسی تفسیر مطالعہ میں رکھنی چاہئے؟

ارشاد:۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ)

امید ہے کتاب قارئین کو پسند آئے گی
دوسری جلد بھی عنقریب منظر عام پر آئے گی

صاحب کتاب کی یاد ہمیشہ ستائے گی
اس عالم میں اب ان سے ملاقات نہ ہو پائے گی

ماسٹر لاجپوری



